پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اُن طلبہ کے لیے
جو سوچتے اور سوال اٹھاتے ہیں

میں جمعیت کا حصہ کیوں بنوں؟

آپ سوچتے ہیں تو جاننے کے لیے
رابطہ کرنے میں دیر مت کیجیے

اختر عباس

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اُن طلبہ کے لیے جو سوچتے اور سوال اٹھاتے ہیں

میں جمعیت کا حصہ کیوں بنوں؟

اہم ترین سوال جو ساتھ دینے یا نہ دینے کی وجہ ٹھہرتا ہے

اختر عباس

ادارہ مطبوعات طلبہ

ا۔اے: ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور فون 042-37428307

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	میں جمعیت کا حصہ کیوں بنوں؟
مصنف	:	اختر عباس
ناشر	:	ضیاءالدین (مینیجنگ ڈائریکٹر)
اہتمام	:	ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور
مطبع	:	قاسم پرنٹرز
اشاعت اول تا چہارم	:	5400
5واں اشاعت	:	مئی 2017
تعداد	:	2100
قیمت	:	40

قائم شدہ 1962

ادارہ مطبوعات طلبہ

1۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور، Ph: 042-37428307

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو بڑا سادہ سا ہوتا ہے ہاں لفظ بدل جاتے ہیں۔ جملوں کی ترتیب، لہجے اور باتیں بدل جاتی ہیں مگر سوال وہی رہتا ہے۔ ہر آغاز اسی سوال سے ہوتا ہے۔ ہر خوشی، ہر حیرت اسی ایک سوال سے جڑی رہتی ہے۔ پوچھنے والے کا تعلق کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی سے ہو یا وہ شہر کے کسی بہت خوبصورت علاقے میں رہتا ہو یا کسی گنجان آباد بستی میں اس کا گھر ہو۔ وہ کلاس میں اعلیٰ ترین پوزیشن لیتا ہو یا بس پاس ہونے کو ہی کمال اور کل کائنات سمجھتا ہو۔ وہ کھیلوں میں نمایاں ہو یا سماجی کاموں میں مگن یا کسی اعلیٰ درجے کے تعلیمی ادارے سے وابستہ ہو۔

ہر سمجھ دار، ذہین، دانا، اور غور کرنے والا طالب علم یہ سوال کرتے ہوئے کچھ بنیادی چیزیں اور باتیں جاننا اپنا حق سمجھتا ہے۔ وہ سنی سنائی باتوں کو کنفرم کرنا چاہتا ہے یا مسترد کر کے اپنے ذہن میں موجود ایک منفی خاکے کو بدل دینا چاہتا ہے۔ اسے یہ بھی گمان ہوتا ہے کہیں یہ جاننا اس کے لیے کسی مشکل کا باعث تو نہ ہوگا۔

ایک احساس یہ بھی ہوتا ہے ممکن ہے یہ سوال کسی ایسے جواب تک لے جائے جس میں خوشی چھپی ہو۔ کامیابی کا کوئی گُر ترقی کا کوئی راز، آگے بڑھنے کا کوئی راستہ، دوسروں کو جاننے اور جانچنے کا کوئی پیمانہ، خدمت کا کوئی وصف، علم کا کوئی پوشیدہ گوشہ، فہم کی بات، تدبیر کی سوغات اور سوال صرف اتنا ہوتا ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ ہے کیا اور میں اِس کا حصہ کیوں بنوں؟

یہ سوال کیوں ہوتا ہے

سوال کرنے والوں کی یادوں میں جمعیت کے پوسٹرز ہوتے ہیں، کہیں جلسے، کہیں

جلوس، کچھ نے اسلامی جمعیت طلبہ، اس کی کتابوں، لائبریریوں اور سٹڈی سرکلز کا سن رکھا ہوتا ہے
۔ کچھ نے جمعیت کے کارکنان کی بے لوث محبت، توجہ، محنت اور بھاگ دوڑ کو دیکھ رکھا ہوتا ہے۔
کچھ نے اخبارات میں چھپنے والے بیانوں، پریس ریلیزوں اور پریس کانفرنسوں سے جمعیت کا
ایک خاکہ بنا رکھا ہوتا ہے۔ کچھ نے جمعیت کے بارے میں الزام پڑھے اور سنے ہوتے ہیں۔ کچھ
جمعیت کو بک بنکوں، کتاب میلوں، مفت ٹیوشن سنٹروں، مشکل مضامین کے نوٹس، فرسٹ ائیر
فولنگ کو روکنے اور کالجوں، یونیورسٹیوں میں نئے آنے والے طلبہ کو پُرخلوص راہنمائی کے حوالے
سے یاد رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

کچھ کا واسطہ جمعیت کے مخلص کارکنان سے پڑا ہوتا ہے۔ وہ انہیں ان کی زبان کی
مٹھاس، اعلیٰ کردار اور وعدوں کے پاس اور لحاظ کرنے کے حوالے سے جانتے ہیں۔ کچھ نے ذمے
داران کی دلائل سے بھری مسلسل اور مربوط تقاریر سنی ہوتی ہیں۔

اصل میں ان سب سوال کرنے والوں نے جمعیت سے متعلق کیمرے کی 36
تصاویر کی ایک پوری ریل میں سے ایک یا دو تصاویر دیکھ رکھی ہوتی ہیں اور وہ اسی پہ اپنے قیاس اور
سوال کو بناتے اور سنبھالے رکھتے ہیں۔ اور اسی پہ سوال کر رہے ہوتے ہیں کہ جمعیت ہے کیا؟

یہ جواب نیم درست بھی ہو سکتا ہے اور مکمل درست جواب کی طرف لے جانے
والا اور آگاہی کی پوری دنیا دکھانے والا بھی۔ خوش قسمتی سے یہ چھوٹا سا موقع ہے کہ ہم اس لمحے
اسلامی جمعیت طلبہ کے تعارف اور کام کی وسعت جیسے اہم اور بنیادی موضوع پر بات کر سکتے ہیں۔
آپ کے دل کی باتیں سن سکتے ہیں۔ دل میں اُٹھے کچھ اہم سوال لے سکتے اور آپ کی تشفی اور تسلی
کے لیے اپنی سنا سکتے ہیں۔ یوں آنے والے سالوں میں تعلق کے ایک ایسے مضبوط بندھن میں بند
ھ سکتے ہیں جو آپ کی زندگی کو

☆ اقدار

☆ خوشی

☆ کامیابی

Scanned with CamScanner

☆کردار

☆قیادت

☆عمدہ سوچ

☆قربانی

☆اخلاص

☆خدمت

☆دین کے علم

☆دانائی

☆دین وملت سے وفاداری

اور اللہ رب العالمین کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت اور محبت کے اس سلسلے سے جوڑ سکتا ہے۔ جس کے لیے 23/دسمبر 1947ء کو لاہور میں جمعیت وجود میں آئی اور آج پاکستان کے ہر گوشے اور ہر صوبے میں اس کے نام اور پیغام کی خوشبو لیے طلبہ گلی گلی، کوچے کوچے، اپنے بے لوث ہم خیالوں کے ساتھ خدمت اور محبت کے عظیم سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خود مجھے 1980 سے 1987 تک مسلسل ۷/سال جمعیت کے ساتھ رہنے، جینے، سوچنے اور کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ بہاولپور جہاں میں جمعیت سے متعارف ہوا وہیں شہر اور بعد میں ضلع کا ناظم بنا۔ گریجوایشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ لاہور آ کر جمعیت کے تاریخی رسالے ہمقدم کا ایڈیٹر بننے کی سعادت ملی اور بعد میں ادارہ مطبوعات طلبہ کا مینجنگ ڈائریکٹر یا مہتمم بن کر خدمت کے اِس سفر کو آگے بڑھانے کا موقع ملا۔ یہ دن اور ماہ وسال میری زندگی کے خوبصورت اور بہترین دِنوں میں سے تھے اور اِتنے سالوں بعد بھی ان کی مٹھاس بالکل تازہ ہے۔ جمعیت کی تربیت ہر جگہ میرے لیے اثاثہ بنی ہے۔

یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے اور بعد میں پاکستان نمایاں ترین یونیورسٹیوں میں ۱۰/سال تک پڑھاتے ہوئے مجھے اِن سوالوں کا کئی بار سامنا کرنا پڑا، اِسی لیے اِس بنیادی سوال پر آپ سے

بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ یہ آپ کے آج ہی نہیں، کل کے لیئے بھی بے حد ضروری ہے۔

یہ 1947ء کا خوش قسمت سال تھا جب دنیا کے مہربان رب نے برصغیر کے رہنے والوں کو ایک الگ اسلامی ریاست سے نواز دیا تھا۔ تاکہ نہ صرف وہ یہاں آزادی اور خود مختاری کے ساتھ اپنے دین پہ عمل پہ کر سکیں بلکہ دنیا کو ایک اچھا نمونہ بن کر بھی دکھا سکیں۔

ملک کے قیام کے بعد لوگوں کی اکثریت کو ملک اور ملت کی بجائے ذاتی مفاد کے لیے سوچتے، بھاگتے، عہدوں کے لیے دوڑتے اور مظلوموں کی دادرسی کے بجائے زیادتیاں کرتے پایا تو ایک چھوٹا سا خواب لے کر تھوڑے سے نوجوانوں نے اسلامی جمعیت طلبہ کا ایک پودا 1947ء میں لاہور میں لگا دیا تاکہ ملک کے طول و عرض میں موجود تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ کو اس پاک وطن اور اس کے پاکیزہ، نظریے اور سوچ سے جوڑا جائے۔ ان کو ملک کے نظریات سے ہم رنگ اور ہم آہنگ رکھا جائے۔ ان کی تعلیمی، سماجی اور تربیتی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔

بہتر لوگ

یہ آغاز کرتے ہوئے جو مقصد اور نصب العین سامنے رکھا گیا تھا وہ بہت واضح تھا، انسانی زندگی کی تعمیر کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول...... کیونکہ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔

''تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور ان کے شر سے محفوظ رہیں اور تم میں سے بُرے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر ان کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔'' (ترمذی، کتاب الفتن 2263، مسند احمد 378/2)

امام احمد نے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے آنحضور ﷺ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ تم میں اچھے کون ہیں اور بُرے کون۔ لوگ خاموش

Scanned with CamScanner

رہے۔ آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا۔

''کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ بتائیے۔'' تب آپ ؐ نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ مَنْ یُّرْجیٰ خَیْرُہٗ وَیُومَنْ شَرُّکُمْ مَنْ یُرْجیٰ خَیْرُہٗ وَلَا یُؤْمَنُ شَرُّہٗ (ترمذی۔ احمد)

1۔ اپنے معاشرے کو صرف خیر پہنچاتا ہے۔

2۔ ایسا نہ کرے تو شر سے باز رہتا ہے۔ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

3۔ سچا مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ نیک کام انجام دے اور برے کاموں سے باز ہے۔

مستدرک حاکم میں ہے'' جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر نہ ہو وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔''

بھلائی کی کوشش ضائع نہیں ہوتی

نئی نسل کالجوں میں زیر تعلیم ہو یا یونیورسٹیوں میں ۔ یہ سب نقشوں کی طرح ہوتے ہیں ۔ یہ نقشے جس قدر درست اصولوں پہ مبنی لائنوں سے بنے ہوں گے، اسی قدر اچھے، قابل قدر اور مفید ہوں گے۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے کبھی اس اصول کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اور اپنے ساتھ وابستہ ہونے والے طلبہ کو تعلیم اور تربیت کے ایک ایسے شان دار سلسلے سے وابستہ کیا کہ جو نہ صرف ان کو دنیا میں رہنے، راہنمائی کرنے اور کامیاب اور قابل اعتبار انساں بننے میں مدد دیتا ہے بلکہ ان کی تربیت کا اس طور پہ اہتمام کیا کہ دنیا کی ایک اچھی زندگی گزارنے کے بعد جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں تو سرخروی، اور اللہ کی رضا انہیں حاصل ہو۔

''جنھوں نے بھلائی کی ،ان کے لیے بھلائی ہے اور اس سے بھی زیادہ اور ان کے منہ پر نہ سیاہی چڑھے گی اور نہ رسوائی ۔ وہ جنت والے ہیں اور اسی میں رہیں گے۔ (سورۃ یونس 10 ۔ آیت 26)

Scanned with CamScanner

☆ اور جو کوئی نیک کام کرے اور وہ ایمان والا ہو، ہم اس کی کوشش کو ضائع نہیں کریں گے اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں (سورۃ انبیاء 94,21)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کیے۔ہم ان پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔(سورۃ عنکبوت 26، آیت 7)

ایمان کی مٹھاس

اسلامی جمعیت طلبہ کی گزشتہ ساٹھ سالوں کی تاریخ اور جدو جہد میں کئی موڑ، اور کئی سخت مقام آئے مگر اللہ کی رحمت خاص کے باعث کبھی اپنے مقصد اور منزل سے نگاہ کو پرے نہیں ہونے دیا گیا۔اپنے لٹریچر، کتابوں تقریروں اور تحریروں سے ہمیشہ جمعیت سے وابستہ ہونے والوں کو جہاں پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اس عظیم مشن کے لیے کام سے وابستہ رکھا، وہاں رسول رحمت ﷺ کے اس قول سے کبھی نگاہ ہٹنے نہیں دی گئی۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہی ایمان کی مٹھاس پائے گا۔''

1۔ وہ جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

2۔ وہ اگر کسی شخص سے محبت کرے تو محض اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔

3۔ وہ جسے کفر کی طرف پلٹنا اتنا ہی ناپسند ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

(بخاری کتاب،2۔باب 2، مسلم کتاب الایمان، باب 15)

جمعیت کی سرگرمیوں کا محور

اسلامی جمعیت طلبہ کی تمام سرگرمیوں کا محور اور مرکز اپنے کارکنان کے ایمان کی مٹھاس کو بڑھانا ہے کیونکہ سورۃ طٰہٰ 20، آیت 75 میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ''اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ نیک عمل کر کے لایا تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں۔'' اور سورۃ البقرہ 2 آیت 25 میں فرمایا ''ان کے لیے خوشخبری ہے جو ایمان لائے۔اچھے کام

کیے۔ان کے لیے بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔"

صاحب فکر و صاحب مطالعہ افراد کی تیاری

اسلامی جمعیت طلبہ ہر پل بدلتی دنیا میں اپنے کارکنان کو کامیاب اور بلند مناصب پہ فائز دیکھنا چاہتی ہے تاکہ وہ اپنے رب کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بہترین انداز میں استعمال کر کے اپنے اپنے شعبے اور اپنے اپنے دائرہ کار میں تبدیلی لا سکیں۔تبدیلی کا باعث بن سکیں۔ان کا وجود، ان کی فکر اور عمل ان کے شعبوں اور اداروں کے لیے بھی خیر اور برکت کا باعث ہو۔

یہ کام جس سخت محنت کا تقاضا کرتا ہے۔اس کے لیے جمعیت وسیع مواقع پیدا کرتی ہے۔خصوصی طور پہ سیمینارز، سٹڈی سرکلز، ورکشاپس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔لازمی مطالعے کے لیے کتب تجویز کی جاتی ہیں۔امتحان لیے جاتے ہیں۔کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی راہنمائی آسان نہیں ہے۔

ممتاز مسلمان سائنس دان اور ڈاکٹر، ابن رشید (1126-1198) کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کی کل دو راتیں ایسی تھیں جب وہ مطالعہ نہیں کر سکے۔ایک ان کی شادی کی رات اور دوسری ان کی وفات کی رات ورنہ ان کی زندگی کی کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔اسی کا فیض تھا کہ ان کا نام اور کام کئی سو سال بعد بھی زندہ ہے۔

شیخ سعدیؒ شیرازی، مولانا رومؒ، علامہ اقبالؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سید قطب، خرم مراد، غرض آپ جس جس شخصیت کا نام لیں گے اسے صاحبان مطالعہ میں سے پائیں گے۔

کردار

اسلامی جمعیت طلبہ اپنے کارکنان کو صرف علمی طور پر بالغ النظر اور میچور بنانے

Scanned with CamScanner

پہ زور نہیں دیتی بلکہ اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے کہ کارکنان اپنے عمل اور کردار سے نہ صرف سچے اور دیانت دار شہری بنیں بلکہ یہی کردار ان کا اثاثہ بنے اور اس زندگی کی کامیابی کے بعد آخرت میں اللہ کے ہاں ان کی عزت اور سر بلندی کا باعث بنے۔

انسان غلطیوں اور کوتاہیوں کا پتلا ہے۔ اور وہ اکثر اپنی غلطیوں کا الزام دینے کے لیے دوسروں کو ڈھونڈتا ہے مگر جمعیت بطور خاص یہ سکھانے کا اہتمام کرتی ہے کہ کسی طور کی کوئی دنیاوی ناکامی، کمی، کمزوری، اصل میں دین پہ عمل کے باعث واقع نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اسلام کی تعلیمات پہ پوری طرح عمل نہ کرنے کے نتیجے سے سامنے آتی ہے۔

اقدار

اسلامی جمعیت طلبہ اپنے کارکنان کو نہ صرف اپنی اقدار سے آگاہ کرتی اور رکھتی ہے بلکہ یاددہانی کا پورا نظام دیتی ہے۔ کیونکہ یہی اقدار شخصی زندگی کو خوب صورتی اور خوب سیرتی سے ہمکنار کرتی ہیں۔

ان اقدار میں جہاں اللہ کی طرف دعوت سرفہرست ہے کہ اللہ ہماری زندگی کی سب سے بڑی، خوب صورت اور اعلیٰ ترین ترجیح ہے۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدنا علی سے فرمایا تھا ''اللہ کی قسم! اگر اللہ تمھارے ذریعے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

اللہ کی راہ میں خرچ

مالک کائنات نے اس کی خود تلقین کی۔ خود ترغیب دی کہ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ، اس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو سو دانے۔ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (البقرہ 2 آیت 261)

جمعیت کے کارکنان، مستحق طلبہ کی مدد کرنے اپنے عزیزوں پہ خرچ کرنے،

Scanned with CamScanner

قیدیوں محتاجوں اور مسافروں کے لیے بھلائی کرنے پہ ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ خیر اور نیکی کا یہ سلسلہ جمعیت سے فراغت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور وہ اپنی آمدن کا ایک مخصوص حصہ کسی پہ احسان دھرے بغیر خرچ کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا ''اس صدقہ خیرات کا اجر وثواب سب سے زیادہ ہے جو تم نوجوانی اور تندرستی کی حالت میں دیتے ہو۔ یہ زندگی کے ایسے دور میں ہوتا ہے جب تم پر مال کی دھن غالب ہو۔ محتاجی کا خوف ہو، امیری کی خواہش ہو، پس صدقہ دینے کے لیے اس وقت کا انتظار نہ کرو جب جان حلق میں اٹکے۔ اس وقت تم کہو کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا دے دو حالانکہ وہ تو از خود فلاں اور فلاں کا ہو چکا۔''

(بخاری، کتاب 24 باب 11، مسلم کتاب زکوٰۃ باب 31)

رسول اللہﷺ نے فرمایا ''ایسے شخص کو خدا اس روز اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اللہ کے سایے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ جو جب دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں کو خبر نہیں ہوتی۔'' (بخاری، باب 36 مسلم باب 30)

یہ چوتھی صدی ہجری کا واقعہ ہے اور طبقات الکبریٰ ملسکی میں امام تاج الدین عبدالوہاب بن تقی سبکی نے درج کیا ہے کہ ابو عمر دین بخید ان کے عہد کے مشہور بزرگ تھے۔ اللہ سے محبت کرنے والے اور کھلے اور چھپے خرچ کرنے والے۔ ایک روز امیر شہر نے جنگی اخراجات کی کمی کا بتا کر اہل خیر کو ترغیب دی کہ سرحدات کی حفاظت کے لیے رقم ختم ہوگئی ہے۔ دورانِ گفتگو وہ پریشانی سے وہ رو پڑا۔ ابو عمر رات گئے اس کے پاس پہنچے اور دو لاکھ دینار کی خطیر رقم جمع کرادی۔ اگلی صبح امیر شہر نے لوگوں کو جمع کیا اور ابو عمر نجید کی تعریف کی۔ کہ کس قدر بروقت اور برموقع مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ابو عمر اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور بولے یہ رقم میری والدہ کی تھی اور میں نے ان کی اجازت کے بغیر خرچ کی تھی۔ انہوں نے اجازت نہیں دی لہٰذا رقم واپس کردی جائے۔ امیر نے رقم واپس کردی۔ اگلی رات وہ پھر امیر شہر کے گھر پہنچے اور رقم دیتے ہوئے کہا، اس شرط کے ساتھ لایا ہوں کہ آپ

Scanned with CamScanner

کے علاوہ کسی کو خبر نہ ہو۔اب کے امیر شہر کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بولا ''ابو عمر تم اخلاص کس قدر بلند درجے پہ فائز ہو۔اللہ نے تم ایسے لوگوں کے لیے ہی اپنے فضل اور رحمت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔''

سورۃ ابراہیم 14 آیت 31 میں اس بات کا حکم ہے۔

''جو بندے ایمان لائے ہیں، وہ نماز قائم کریں اور اللہ کی دی ہوئی روزی اور رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں، اس دن سے پہلے جب نہ کوئی دوستی کام آئے گی، نہ سودا بازی ہو سکے گی۔''

آنحضورﷺ نے فرمایا ''خرچ کرو، گن گن کر نہ رکھو کیونکہ اگر تم گن گن کر رکھو گے تو اللہ بھی تمھیں گن گن کر دے گا۔''

بخاری کتاب 51 باب 15 مسلم کتاب زکوٰۃ باب 28)

والدین کا احترام

جمعیت اس بات کا اپنے کارکنان کی تربیت میں خصوصی اہتمام کرتی ہے کہ والدین کی عزت اور احترام ان کی شخصیت کا لازم حصہ بن جائے۔ان کی بنیادی اقدار کی بنیاد بن جائے کیونکہ آنے والے دنوں میں جونہی تعلیم مکمل ہوتی ہے اور نوکری یا بزنس کے بعد پیسہ، پوزیشن آتی ہے تو طلبہ کی ایک بڑی تعداد اس نعمت کی بے قدری کرنا شروع کر دیتی ہے جس کی قدر کا خود اللہ نے حکم دیا تھا۔سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت 24-23 میں فرمایا ''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا، نہ جھڑکنا، ان کے ساتھ بات ادب کے ساتھ کرنا، عجز و نیاز سے ان کے سامنے کندھے جھکائے رکھنا اور دعا کرنا کہ اے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا تو بھی ان پر اپنی رحمت فرما۔''

سورۃ لقمان 31، آیت 15-14 ، سورۃ احقاف ، 46 آیت 15، سورۃ عنکبوت، 29 آیت 8، سورۃ توبہ، 9 آیت 23 اور سورۃ مجادلہ 58 آیت 22 میں خدا رحمٰن

نے والدین کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کی بار بار تاکید کی۔

اسلامی جمعیت طلبہ اس خدائی فرماں کو ایک بنیادی انسانی ویلیو کے طور پہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

پاک دامنی، نگاہوں اور ارادوں کی پاکیزگی کا اہتمام

ہم اس بات پہ خدائے رحمٰن کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ جنسی آوارگی کے اس دور میں جہاں نگاہوں، ارادوں اور تعلقات کو ہمیشہ آزمائش کا سامنا رہتا ہے اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنے کارکنان کے لیے اہم بنیادی انسانی ویلیو کے طور پر Modesty اور Purity کو اختیار کیا جاتا ہے۔

جہاں اسلامی جمعیت طلبہ کا مجموعی ماحول اس پاکیزگی کو کردار و عمل کا حصہ بنانے میں مدد کرتا ہے۔ وہاں سورۃ نور 24 آیت 31-30 میں فرمان الٰہی ہے ''اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔ ستر کی حفاظت کرو کہ یہی پاکیزگی ہے''۔ سورۃ مومن 40 آیت 19۔ ''اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔'' یہ بطورِ خاص زور دیا جاتا ہے اور کارکنان جمعیت کے کردار کی حفاظت کرتا ہے۔

آنحضورﷺ نے بنیادی انسانی کمزوریوں اور نادانیوں کے باعث زنا اور لواطت جیسے جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہو کر خدا کے غضب کا نشانہ بننے والوں کی نشاندہی فرمائی تو ساتھ میں اس طرف جانے اور سوچنے کے راستے بھی بند کیے۔ ہمیں خوشی ہے کہ فحش فلموں، Sex sites اور گناہ کے آسان اور ترغیب دینے والے ماحول میں بھی ہمارے کارکنان بطور خاص نگاہ کی پاکیزگی کا اہتمام کرتے اور حیا کو بھلائی جانتے ہیں۔ مخلوط تعلیم جیسی آزمائش میں نامحرم لڑکیوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے اور گفتگو سے بچتے ہیں۔ یہ بات بیشک کئی حلقوں کو ناپسند ہے مگر جہاں سے کمزوری اور برائی راہ پا سکتی ہے، اس راہ سے احتراز اور احتیاط ہی بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے آنحضورﷺ سے روایت فرمایا'' یہ تمام

Scanned with CamScanner

بے حیائیاں چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی اللہ نے حرام کردی ہیں۔'' حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا'' اللہ کی غیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ مومن ایسے امور کا ارتکاب کرے جو اللہ نے حرام کیے ہیں۔'' (بخاری کتاب 67، باب 7، مسلم کتاب توبہ باب 6)

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے'' میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔'' (مسلم کتاب الرفاق باب بیان الفتنہ نساء بخاری کتاب النکاح باب ما تیقی)

جس بات پر دنیا کے رب اور اس نے محبوبؐ نے اس قدر توجہ دلائی ہو۔ احتیاط کا بتا دیا ہو، اِسے آخرت کی کامیابی اور ناکامی سے جوڑ دیا ہو۔ جمعیت کیونکر اس سے صرف نظر کر سکتی تھی۔ ہر آنے والا دن ان فتنوں کو بڑھانے، پُرکشش بنانے اور گناہ کی منڈی کو سجانے کا سامان لے کر آرہا ہے۔ ایسے میں کارکنان جمعیت اپنی پاکیزگی، عفت اور عصمت کے تحفظ کے بارے میں اور زیادہ محتاط ہوئے جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکا جو اس گناہ کے کاروبار کے مراکز ہیں۔ خود وہاں چند سال سے Purity balls کے نام سے نوجوانوں میں شادی سے پہلے تعلقات کی برائی کے آگے بند باندھنے کی ایک مہم اور تحریک شروع ہو چکی ہے جس میں 12 سالہ لڑکے اور لڑکیوں سے باعصمت اور باعفت رہنے کی قسم لی جاتی ہے۔ پھر ان کے والدین دعا مانگتے ہیں اور بچوں کو Purity Ring انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔ سات سال پہلے ''کولوراڈہ سیزنگر'' شہر سے اس کا آغاز ہوا۔ اور اب تک 21 امریکی ریاستوں میں اس کی تقریبات ہو چکی ہیں۔

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جن باتوں سے منع کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، انہی کو ماننے میں بھلائی ہے۔ ترقی یافتہ دُنیا کے لوگ تجزیے کر کے، نقصان اُٹھا کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں جبکہ جمعیت الحمدللہ اپنے آغاز سے ہی احکامات الٰہی کو پوری روح اور الٰہی منشاء کے ساتھ اپنے کارکنان کے عمل اور اقدار Values کا حصہ بنانے میں مصروف ہے۔

اچھا سوال کرنے کی خوبی

Scanned with CamScanner

جمعیت نے اپنے نظامِ تربیت میں ایک اور چیز کو بطورِ خاص مرکزِ نگاہ بنایا وہ ہے اپنے کارکنان اور اراکین کی اعلیٰ تعلیمی صلاحیتوں کا نکھار۔ یہی وجہ ہے اکثر اپنے اپنے اداروں اور کلاسز میں اپنی تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر نہ صرف نمایاں رہتے ہیں بلکہ ان کی تعلیمی اور تنظیمی صلاحیتوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

جمعیت کی اعلیٰ قیادت ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہے۔ دورانِ تعلیم ان کی کارکردگی عام طلبہ سے اس لیے بھی اچھی رہتی ہے کہ وہ بات کو سمجھنے کی خاطر اچھا سوال کرنا جان لیتے ہیں۔ پڑھنے کے طریقے۔ یاد کرنے کی مہارتیں بے حد ضروری ہیں مگر موضوع کو سمجھنے کے لیے اچھا سوال سوچنا اور کرنا نہ صرف استاد کی نگاہ میں طالب علم کو نمایاں کرتا ہے بلکہ اسے زیادہ بہتر اور موزوں جواب بھی ملتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم اور ڈگری ہمارے لیے صرف نوکریاں پانے کی وجہ نہیں ہے بلکہ اس قوم اور ملک سے محبت کے اظہار اور اس کی ترقی کی فکر کا اظہار بھی ہے۔ جمعیت کے جو کارکنان دو دہائیاں پہلے میڈیکل کالجز میں تھے الحمدللہ آج امریکا ہی نہیں، طبی دُنیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھا رہے ہیں اور ملک کے لیے عزت اور وقار کا باعث بن رہے ہیں۔

سابق معتمدِ عام ڈاکٹر زاہد حسین باجوہ ہوں یا ڈاکٹر عاصم اسد، ڈاکٹر محسن انصاری ہوں یا اکفا کے ڈاکٹر فرخ، ہاورڈ سے لے کر کیمبرج تک ہر جگہ جمعیت کے ساتھی نمایاں ترین عہدوں پر فائز ہیں۔ انجینئرنگ کے شعبے میں تعلیم پانے والے ساتھی سرکاری، غیر سرکاری اور نجی کاروبار میں امانت، دیانت، سچائی اور بہترین کارکردگی کا نام مانے جاتے ہیں۔

پروفیشنل اداروں کے علاوہ ہیومیٹیز، ہیومن ریسورسز، بزنس ایڈمنسٹریشن، پبلک ایڈمنسٹریشن، سائیکالوجی اور سائنسی علوم میں ماہرین کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں میں ہے جو اپنے اداروں میں نیک نامی اور قابلیت دونوں لحاظ سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ملک کی سول سروسز میں بھی ہمارے بیشتر ساتھیوں نے بہت اچھی روایات قائم کی ہیں۔

پاکستان ہمارے لیے صرف وطن یا ایک ایسا ملک نہیں کہ جس کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ

Scanned with CamScanner

کی پہچان ہم سب کو ملتی ہے بلکہ یہ پاک سرزمین اسلام کے آفاقی اور بہترین اصولوں، روایات اور عقائد کو اپنی زندگیوں میں لانے اور معاشرے میں اس کے اثرات پھیلانے کے لیے کروڑوں مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں حاصل کیا تھا۔ سید مودودی نے اسے مسجد کی طرح پاک جگہ کہا۔

پاکستان کے نظام تعلیم کو بدلنے کی جستجو

اسلامی جمعیت طلبہ نے وطن عزیز میں جاری نظام تعلیم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مسلسل کام کیا ہے اور نظام تعلیم کو بدلنے اور ایک کرنے پہ ہمیشہ زور دیا ہے۔ جب ہم نظام تعلیم بدلنے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو اس نظام تعلیم کے ذریعے پیدا ہونے والی غلامانہ ذہنیت، صرف کلرک، خدمت گزار اور خوشامدی بننے کی سوچ کو بدلنا چاہتے ہیں۔ ہمارا طالب علم تعلیم کے آخری درجات تک جا کر بھی اس ملک وقوم سے سچی محبت سے محروم ہوتا ہے۔ اس کا تعلق اپنے رب، اس کی تعلیمات سے کم اور دولت کمانے کے ہر جائز و ناجائز خیال سے زیادہ مضبوطی سے جُڑا ہوتا ہے۔ اس پورے نظام تعلیم نے صرف نوکریاں ڈھونڈنے اور پھر خوشامد، سازش اور ناجائز ذرائع سے پیسے کما کر زندگی آسان اور بہتر بنانے کی ایسی نہ ختم ہونے والی دوڑ شروع کر دی ہے کہ جس نے ہر اچھے تعلق اور رشتے کو ہی بے معنی کر دیا ہے۔ ہمارا طالب علم نصاب میں دی گئی ماموق الفطرت معلومات، دیومالائی قصوں، یونانی دیوتاؤں کے فضول قصوں، مغربی مصنفین کی کتابوں اور حوالے سے تو خوب باخبر ہوتا ہے مگر اپنی پوری تاریخ سے بے بہرہ اور ایک لحاظ سے منکر۔

ہماری خواہش، کوشش اور مخلصانہ جدوجہد یہ ہے کہ پاکستان میں جاری کئی طرح کے نظام ہائے تعلیم جس طرح کے ناقص نتائج دے چکے ہیں۔ ان کا جائزہ لیا جائے اور ان خوفناک نتائج کی بنیاد پر بھی ان کو بدلنے اور بہتر کرنے کی فوری ضرورت محسوس کی جائے۔ ہر ملک کا نظام تعلیم پڑھنے والوں اور پڑھ کر فارغ ہونے والوں کو اپنے ملک اور اس کے بنیادی نظریے کا وفادار بناتا ہے۔

Scanned with CamScanner

بدقسمتی سے یہ واحد ملک ہے جس کے اہل اقتدار نے اپنے ذاتی اور وقتی فوائد کی خاطر گزشتہ ۶۰ رسالوں میں نظام تعلیم میں بہترین کی شعوری کوششیں نہیں کیں۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اے لیول سے لے کر او لیول تک اور ایم اے سے لے کر پی ایچ ڈی تک طلبہ پڑھتے ہیں اور اُن کی ذہنی مرعوبیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ مغرب کی ہر تھیوری پر یوں ایمان لے آتے ہیں جیسے براہِ راست وحی اُتری ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ مغرب کی تھیوریاں اِنھی کے سوچنے سمجھنے والوں دماغوں نے رَد اور بہتر کیں۔ ہمارے ہاں ان کو چیلنج یا غور کرنے کی سوچ ہی پنپنے نہیں دی گئی۔

اگر کسی حکومت نے کوشش کی بھی ہے تو نصاب میں سے قرآن و حدیث کو نکالنے، ملک کی تاریخ کو بدلنے اور روشن خیالی کے نام پہ مغرب کی ناکارہ اور نقصان دہ سوچ اور کلچر کو رائج کرنے کی۔ آغا خان بورڈ سے لیکر این جی اوز تک اور خود وزارتِ تعلیم کے ایسے وزراء تک جنھیں یہ علم نہیں تھا کہ قرآن پاک کے پارے ۴۰ نہیں ۳۰ رہیں۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنے وسائل اور حدود کے اندر رہتے ہوئے ملک کے نظام تعلیم کی بہتری کے لیے نہ صرف اس علم کو جمع کیا، سفارشات مرتب کروائیں بلکہ کتابیں بھی تالیف کروائیں۔ کام کے بنیادی فریم ورک بنا کر دیتے۔ نصاب میں موجود کمی کوتاہیوں پہ مدلل رپورٹیں تیار کیں، جنھیں کبھی خوشدلی سے اور کبھی بے دلی سے مانا گیا مگر بیرونی فنڈز کی بنیاد پہ بننے والی پالیسیوں کے باعث ہم ابھی تک اپنے قومی اور ملی نظامِ تعلیم سے محروم چلے آ رہے ہیں۔

اگر اُستاد کوئی نظریہ حیات رکھتا

گزشتہ ایک دہائی سے وطنِ عزیز میں تعلیم کے پرائیویٹ سیکٹر میں چلے جانے سے اسلامی نظام تعلیم نہ ہونے کے نقصانات کئی گنا بڑھ کر سامنے آئے ہیں۔ جب مغرب کی ہر کتاب، ہر تھیوری اور ہر کیس سٹڈی کو ایمان کا حصہ بنا کر یوں پڑھایا اور پیش کیا جا رہا ہے کہ جیسے یہی واحد سچ ہے اور اس سے دوری ہر ترقی اور کامیابی سے دور کر دے گی۔ پڑھنے والوں کا تصور کم اور پڑھانے والوں کا کہیں زیادہ ہے چونکہ وہ بھی اپنی کم علمی کے باعث اپنے مقام اور مرتبے سے ہی آگاہ

Scanned with CamScanner

نہیں۔ ایک بہترین اُستاد کس قدر موثر ہوسکتا ہے۔ امام العصر سید مودودیؒ نے کیا خوبصورت بات کہی تھی:

''ایک مسلمان جو سچے دل سے اللہ کے دین پر ایمان لایا ہو اور جس کے دل و دماغ میں اللہ کا دین رچ بس گیا ہو وہ جب تعلیم دینے کے لیے جاتا ہے، تو وہ قطعاً اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ نظام تعلیم کیا ہے اور کتابیں کیا سکھا رہی ہیں۔ نظام تعلیم خواہ کیسا ہی ہو اور کتابیں چاہے کچھ کہہ رہی ہوں، لیکن اگر استاد کوئی نظریہ حیات رکھتا ہے اور اس نظریہ پر اعتقاد اور سچے دل کے ساتھ ایمان رکھتا ہے، تو وہ اس کے مطابق تعلیم دے گا۔ جو کتابیں وہ پڑھائے گا، ان میں جس چیز کو اسلام کے خلاف پائے گا، اس پر تنقید کرے گا اور جو چیز اسلام کے مطابق ہوگی اس کی تائید کرے گا اور اس کو زیادہ سے زیادہ طالب علم کے ذہن نشین کرائے گا۔ خالص کافرانہ کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ دین سکھا سکتا ہے اور طلبہ کے دماغوں میں ایمان اتار سکتا ہے۔ آخر یہ نظام جو اس وقت ملک میں رائج ہے کون سا اسلامی نظام تعلیم ہے؟ یہ ہمیں وراثتاً ملا تھا۔ ہم اس کے اندر تھوڑی بہت لیپ پوت کر کے، اس کا رنگ بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت نہیں بدلتے۔ یہ تقسیم سے پہلے بھی رائج تھا اور تقسیم کے بعد بھی رائج رہا ہے۔ لیکن آخر کیسے ممکن ہوا کہ انھی کالجوں اور یونیورسٹیوں سے، جہاں منکر خدا اور منکر آخرت بن کر نکلتے رہے تھے وہاں انھی اداروں سے وہ لوگ بھی نکلے ہیں جو نہ صرف ایمان رکھتے ہیں بلکہ اللہ کے دین کا علم بلند کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر خدا کے فضل سے خدا کے دین کے لیے کام کیا جائے تو ایک بدتر سے بدتر نظام تعلیم کے اندر بھی کام کرنے والا اپنے نظریہ کے مطابق کام کرسکتا ہے۔ مغربی ممالک میں جن کالجوں اور جن یونیورسٹیوں سے کمیونسٹ بن بن کر نکلتے رہتے ہیں وہاں کمیونزم کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ یہ کام وہاں کے کمیونسٹ استاد کر رہے ہیں۔ آپ کے ملک میں اگرچہ اسلام سے قطعی کھلا انکار کسی کتاب میں نہ ہوگا، لیکن بے دین استادوں نے لوگوں کے اندر بے دینی پیدا کی، اور خدا کے وجود سے، آخرت سے اور رسالت سے انکار کرنے والے پیدا کیے۔ مسلمانوں کی اولاد

کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا جو کام انہوں نے کیا، وہ اس کے لیے مقرر نہیں کیے گئے تھے، نہ اس کام کے لیے تنخواہ پاتے تھے اور نہ ان کو نصاب دیا گیا تھا جو قطعی کھلے انکار کی تعلیم دے رہا ہو، لیکن چونکہ وہ خود منکر تھے، اس لیے انہوں نے بہت سے نوجوانوں کو ہی منکر بنا دیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ ایسا کر سکتے ہیں تو پھر آپ اپنے نظریے کے مطابق کیوں کام نہیں کر سکتے۔ نصاب تعلیم بدلتا رہے گا۔ پروا مت کیجیے کہ کب بدلتا ہے۔ نظام تعلیم کب بنتا ہے، اس کی کوئی فکر نہ کیجیے۔ یہ اپنی جگہ اپنے وقت پر ہوتا رہے گا۔ ان کے لیے جدو جہد کرنے والی طاقتیں موجود ہیں۔ آپ بھی جدو جہد کرنے والوں میں شامل ہوں کہ اسلامی نظام تعلیم یہاں رائج ہو لیکن اس کا انتظار مت کیجیے۔ اس انتظار میں نہ بیٹھ جایئے کہ نصاب اور نظام تعلیم بدلے گا تو کام کریں گے، ان کے ذہن کو پاکیزہ بنائیں گے، ان کے ذہنوں سے تمام آلودگیوں کو دور کریں گے۔ اغیار کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کو ختم کریں گے اور ان کو ایمان و ایقان کی تعلیم دیں گے۔

اسی طرح سے آپ دیکھتے ہیں کہ جو بدکردار استاد ہیں، وہ مدتوں سے اپنے شاگردوں کو بدکردار بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور اکثریت کو انہوں نے بدکردار بنایا ہے، ان میں برائیاں پیدا کی ہیں، انہیں منشیات کا عادی بنایا ہے اور انہیں بدی اور جرائم کی راہ پر چلایا ہے۔ جب وہ یہ کر سکتے ہیں تو میں اور آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے کہ نیک کردار بنائیں اور طلبا کو اخلاق صالحہ کی تعلیم دیں۔''

جمعیت نے اِس فکر اور سوچ کو حرزِ جان بنایا ہے۔ اپنی تعلیم اور تربیت میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ اِس پر بھی کئی طلبہ سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ہمارے مضامین کو بدل دیں گے۔

معلومات کو پیش کرنے کا اسلامی انداز

ممتاز مفکر اور راہنما سید قطب شہید کے حقیقی بھائی الاستاذ محمد قطب نے ایک بار لکھا تھا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ تعلیم تو نام ہے فزکس، کیمسٹری، میڈیکل اور انجینیر نگ کا پھر اسلامی نظریات کی مطابقت ان سے کیسے ہو سکے گی۔ کیا اسلامی اداروں میں ان کی صورت اور معلومات مختلف ہو جائیں گی؟

Scanned with CamScanner

اسلامی طرز تدریس میں ان مضامین کی معلومات مختلف نہیں ۃ بلکہ ان کے پیش کرنے کا انداز مختلف ہوگا۔ مثال کے طور پر شاید آپ کو اندازہ نہ ہو کہ مغرب کا طرز تعلیم بت پرستی پر استوار ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو متذکرہ علوم کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ آپ کو بار بار اس بات کا اعادہ نظر آئے گا کہ نیچر یا فطرت ہی خالق ہے۔ افسوس کہ اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں بھی اسی مشرکانہ اور بت پرستانہ نظریے کو اختیار کرلیا گیا ہے اور ہم اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے کہ نیچر یوں کرتا ہے، نیچر یوں کرتا ہے، نیچر کے قواعد اٹل ہیں اور یہ بدل نہیں سکتے۔ غرض ہم طلبہ کو نیچر لاز (قوانینِ فطرت) کی تعلیم ہی دیتے ہیں اور اپنے عمل اور قول سے نیچر یا فطرت کو خدا اور خالق بنا لیتے ہیں اور تمام سائنسی اصول اور کلیے اسی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل ایک مسلمان استاد کے شایان شان نہیں ہے، جو دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کو خالق و رب العالمین نہیں مانتا۔

میں یہاں پر دو سائنس دانوں کی مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔ ڈارون اپنے نظریات کی بنیاد فطرت پر رکھتا ہے اور خالق کائنات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے، جبکہ ابن الہیثم اپنے خیالات و نظریات کی تشریح کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتا ہے اور خالق اکبر کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ کافر عالم اور مسلمان عالم کے درمیان یہی فرق ہے۔ دونوں کی معلومات میں کوئی فرق نہیں۔ مگر معلومات کو پیش کرنے کا انداز کلیۃً مختلف ہے۔ علمی معلومات میں کوئی تغیر نہیں آیا کرتا، نہ ہمارے ہاں، نہ ان کے ہاں، مگر موقف دونوں کا الگ الگ ہوتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے علاوہ کچھ اور!

بالکل یہی مثال تعلیم پر لاگو ہوتی ہے، چنانچہ جب ہم موجودہ تعلیم کو اسلامی تعلیم میں بدلنے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم کیمسٹری، فزکس وغیرہ میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں، بلکہ بت پرستانہ رویے ترک کر کے اس کے اندر اسلامی روح پیدا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایک اسلامی ملک جو کہ حاصل بھی اسلام کے نام پر ہی کیا گیا ہو، اس کے تعلیمی اداروں کے لیے اسلامی نظامِ تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا نظام سوچا بھی کیسے جا سکتا ہے۔ اس نظام کی غیر موجودگی میں جو طالب علم سارا دن کلاس روم اور لیبارٹریوں کے اندر ''نیچر ہی خالق ہے، نیچر کے قوانین

اٹل ہیں'' قسم کی باتیں سنتا رہتا ہے اور اس کے کانوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صناعی وقوت کی بات نہیں کی جاتی، وہ اپنے خدا کو جواب دہ نہیں۔ اس کی رضا کا طالب نہیں، اس کے اصولوں اور راہنمائی کا محتاج نہیں، ایسے میں اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ اخلاق، اقدار یا اعلیٰ اصولوں کا حامل بنے گا، عبث اور فضول ہے۔ نیچر ایک ایسا ''خدا ہے جس کے سامنے کوئی عقیدہ ہے نہ اصول۔ اس کے برعکس جو طالب علم دوران تعلیم یہ پڑھتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے کائنات کو پیدا کیا ہے، وہی ساری مخلوقات کا مالک، رازق اور راہنما ہے، وہ اپنے اندر دینی روح پیدا ہوتی ہوئی محسوس کرے گا اور اللہ سے اس کا تعلق گہرا اور محبت مضبوط ہوتی جائے گی۔ اس کی زندگی کا نصب العین، مقصد، ویلیوز اور ہدف ہر چیز مختلف، بہتر اور برتر ہوگی۔

ہم پوری ایمانداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ علوم میں اسلام کا نقطہ نظر خالص انداز میں سمویا جا سکتا ہے۔ ان علوم میں تاریخ، ادب اور اقتصادیات کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جن میں چونکہ انسانی نقطہ نظر بار بار مداخلت کرتا ہے اس لیے انھیں اسلامی تعلیمات کا علمبردار و ترجمان بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس وقت یہ علوم ہم اپنے بچوں کو جس طریقے سے پڑھا رہے ہیں وہ سراسر مغربی طریقہ ہے۔ صرف تین چار علوم کی ایک ایک مثال پیش کر کے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔

تاریخ واقعات نہیں ان کی تعبیر کا نام ہے

پہلے تاریخ کو لیجیے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ واقعات کو بیان کرنے کا نام ہے، حالانکہ فی الحقیقت یہ واقعات کی تعبیر کا نام ہے۔ تاریخ دراصل انسانی کی تاریخ ہے اور جب تک یہ طے نہ ہو کہ انسان کیا ہے، اس کا مقام کیا ہے؟ اس وقت تک تاریخ سے انصاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مورخ لکھتے ہیں کہ یہ فرعونی تہذیب تھی، یہ یونانی تہذیب تھی اور یہ رومی تہذیب تھی اور پھر تہذیب وتمدن کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جاہلیت قرار دیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسان کا جو مقصدِ حیات ''بندگی رب'' قرار دیا ہے، وہ ان نام نہاد تہذیبوں میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اسی لیے جب مسلمان طالب علم یا معلم اس نقطہ نظر سے مطالعہ کرے گا تو وہ جہاں فرعونی تہذیب کی مادی ترقی کا اعتراف کرے گا وہاں وہ ضرور بیان کرے گا کہ فرعون اللہ کا بندہ نہیں، بلکہ خود خدا بن بیٹھا تھا۔ اس دور میں انسان غیر خدا کے بندے

Scanned with CamScanner

بن گئے تھے اور یوں فرعونی تہذیب میں مصر کا انسان اللہ کی عبودیت کا مقصد پورا نہیں کر سکا تھا۔ بس یہی اختلاف جاہلی تاریخ اور اسلامی تاریخ کے درمیان واقع ہے کہ جاہلی مؤرخ فرعونی تہذیب کی تعریف میں رطب اللسان ہوگا اور لکھے گا کہ اس دور کے انسان نے اپنی خودی کا اظہار بہترین طریقے سے کیا مگر مسلمان مورخ کے نزدیک اس دور کا انسان گمراہ تھا اور سراسر جاہلیت میں ڈوبا ہوا تھا جس کی وجہ سے زوال کا ایسا شکار ہوا کہ اُس تہذیب کا وجود تک ختم ہو گیا۔

سوشیالوجی کی ایک مثال

اب اجتماعیات (سوشیالوجی) کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔ علم الاجتماعیات کا مشہور ماہر اور فلسفی درگائن فرانس کا یہودی تھا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دین اور اخلاق حیثیت مستقل بالذات نہیں اور نہ ہی یہ ہمیشہ قائم و ثابت رہ سکتے ہیں۔ اب یہ تصور ہی اسلامی تصور اخلاق و مذہب سے بنیادی طور پر متصادم ہے، مگر ایک عرصے سے درسگاہوں میں پڑھایا جا رہا ہے۔ جب ہم تعلیم کو اسلامی رنگ دیں گے تو غیر حقیقی اور غیر اسلامی نظریات ختم کر دیے جائیں گے اور اجتماعیات اور دیگر عمرانی علوم کو دینی عقائد سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔ اسی نظام کی برکات سے ہمیں ایسے سوشیالوجسٹ بھی میسر آئیں گے جن کی اپنی سوچ ہوگی۔ جو اللہ کی دی ہوئی راہنمائی میں علوم و فنون کی نئی رفعتوں اور بلندیوں کو چھوئیں گے۔ ورنہ عشروں سے کسی ایک مسلمان کا نام بھی نہیں سامنے آ رہا جس کے کام کو غیر مسلم اہلِ علم بھی مانیں۔ بے چارہ جب تک اس مضمون کا ماہر بنتا ہے تب تک اسلام اس کے اندر سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں ہمیں ماڈل ٹاؤن لائبریری میں کچھ اہلِ علم پڑھے لکھے احباب کی موجودگی میں ایک امریکی ڈاکٹر اور سائنسدان سے وابستہ پڑا جو شوکت خانم ہسپتال میں جنیات کی تحقیق کے لیے آئے ہوئے تھے۔ وہ کیمیائی ادویات اور کیمیکلز کا انسانی جسم اور خاص طور پر اس سے ہونے والے کینسر پر ریسرچ کرنے کے ماہر تھے۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز ہی یہاں سے کیا کہ میں مذہبیت پر یقین نہیں رکھتا۔ اب میرے بچے بھی میرے ساتھ ہیں۔ اگلے دو گھنٹے میں انہوں نے جینز (Genes) پر کی گئی اپنی جس تحقیق کا ذکر کیا۔ ممکن ہے کتابی طور پر اہم

Scanned with CamScanner

ہو مگر تحقیق کرنے والا اپنی بنیاد کھو کر اب جو نتائج بھی نکالے وہ نتائج تو کوئی بھی غیر مسلم نکال سکتا ہے۔ اس نظام کی کامیابی یہ دیکھیے کہ اس نے دور دیس سے آنے والے کی سوچ، فکر، ذات، حوالہ ہر چیز بدل کے رکھ دی۔ اب اس سائنسی روبوٹ کو جو مرضی Food دے کر کام کروالیں اور نتائج پالیں۔

اقتصادیات کا علم بھی انسانی نظریات کے تابع ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کو بتانا ہے کہ سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام اور اشتراکیت کا اقتصادی نظام دونوں غیر فطری و غیر انسانی بنیادیں رکھتے ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں اسلام کا اپنا اقتصادی نظام ہے اور وہ دونوں سے مختلف اور انسان پرور ہے۔ شوسلزم کا قلعہ روس اپنی غلطیوں کے باعث ہی ۷۰ سال بعد منہدم ہو گیا۔ اب بھی کسی کسی علاقے میں سوشلزم کی کبھی کبھی کوئی چنگاری سلگتی ہے۔ یہ پوری دنیا پر غالب آنے کے لیے فکری اور فوجی راستہ اپنائے ہوئے تھے مگر اپنے ہی ملک اور نظام کو سنبھال نہ سکے۔ اب یقینی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی کی باری ہے۔ خود امریکا میں سرمایہ داروں کے ظلم اور لالچ کے خلاف وال سٹریٹ میں واقع بنکوں اور سرمایہ داروں کے مراکز پر قبضے کی مہم تو شروع ہو چکی ہے۔

علم نفسیات میں انسانی نفس کا جزوی تجزیہ کر کے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ انسان کو کیسا ہونا چاہیے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ انسان کیا ہے؟ اس وقت نفسیات کی تدریس خالصتاً مغربی طریقے سے کی جارہی ہے اور ڈارون کا نظریہ ارتقا اس کا ایک لازمی جزو ہے جس پر ممتاز ادیب اشفاق احمد نے اپنے افسانے میں سوال اٹھایا تھا کہ اگر انسان بندر سے بنا ہے تو موجودہ عہد کے ہزاروں بندروں کا کیا قصور ہے۔ ان کا انسان بننے کا خواب کب پورا ہوگا۔ ڈارون کی تھیوری کی مذہب میں بے شمار لوگ نفی کر چکے ہیں۔ ہمارا کوئی طالب علم یا اُستاد آج تک آزادانہ سوچ اور اپنی دلیل کی بنیاد پر اس کو چیلنج کرنے کی چھوٹی سی کوشش پر بھی آمادہ نہ ہو سکا کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ مغرب سے آنے والا علم اور ہر تھیوری حرفِ آخر ہے اور وہ لوگ عقلِ کُل ہیں۔ اِس سوچ کے ساتھ آپ کوئی علم تخلیق کرنا تو دُور، کسی علمی غلطی اور کوتاہی کو بھی نہیں پکڑ سکتے۔

تاریخ، اجتماعیات، اقتصادیات اور نفسیات کی طرح تعلیم و تربیت کا علم بھی مغربی تصورات پر

مبنی ہے۔ وہاں کہا جاتا ہے کہ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد انسان کو اچھا شہری بنانا ہے، جبکہ اسلام کا تصور تعلیم پہلے ہی قدم پر اس سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم کی اولین اور سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ صالح انسان پیدا کرے، اس کی سوچ اور عمل کو اچھا اور صالح بنائے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اچھا شہری اور صالح انسان ایک ہی بات ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں لیکن درحقیقت دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ مثال کے طور پر امریکا میں وہ سرمایہ دار اچھا شہری ہے جو اپنے کاروبار کو وسعت دیتا رہے، خواہ وہ کتنے ہی مظلوموں کا خون نچوڑ ڈالے۔ وہ سفید فام شہری اچھا ہے جو چاہے بے گناہ سیاہ فام کو مار ڈالے مگر سفید فاموں سے جڑا رہے اور وہ امریکی بھی اچھا شہری ہے جو دنیا بھر میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتا پھرے، ملکوں کو باہم لڑاتا رہے، سازشیں پروان چڑھاتا اور ہزاروں بے گناہوں کو قربانی کا جانور بناتا رہے مگر امریکی مفادات کا تحفظ کرتا ہو۔ اسی طرح روس میں وہ شہری اچھا ہے جو اپنے دل ودماغ اور ضمیر کو کمیونسٹ پارٹی کے شکنجے میں کسے رکھے۔ اُس کا وفادار رہے، باقی چاہے جس کو فنا کر ڈالے۔ اِسی طرح وہ روسی بھی اچھے شہری تھے جو ۱۹۵۶ء میں ٹینک لے کر ہنگری گئے اور انھوں نے وہاں کے باشندوں کو محض اس لیے کچل ڈالا تھا کہ وہ آزادی کے خواہاں تھے۔ اسی طرح بوسنیا میں لاکھوں مسلمانوں کی نسل کشی کے باوجود بھی اچھے روسی رہے، چاہے ساری دُنیا اُن کے ظلموں پر چیختی رہی۔

عمر بھر کے لیے نصب العین کا تحفہ

غرض ہر ملک میں اچھے شہری کی مختلف تعریف رائج ہے، مگر بنیاد میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے یعنی وطن اور قوم کی پرستش، اسے معبود کے درجے پر فائز کرنے کا عزم جبکہ اس کے مقابلے میں صالح انسان یا مسلمان صرف خدا کا بندہ ہے۔ وہ وطن کی پوجا نہیں کرتا، اِس سے محبت کرتا ہے۔ اس کے آئین اور قوانین کا محافظ ہوتا ہے۔ ان کی خاطر کسی ظلم یا ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے چونکہ وہ اپنے اعمال کے لیے رب کو جوابدہی کے تصور سے مالا مال ہے۔ اسی لیے ایک صالح انسان خواہ کہیں بھی چلا جائے، اس کا رویہ یکساں ہوگا کہ اس کی نظر میں خدا ہر جگہ موجود ہے اور اس کی ایک

Scanned with CamScanner

ایک حرکت کی نگرانی کر رہا ہے اور اس نے زندگی بھر اپنے ہر عمل سے اپنے رب کو راضی کرنا ہے۔ چاہے کسی ملک اور خطّے میں ہو۔ پاکستان اور اُمت مسلمہ سے محبت اُس کی گھٹی میں ہے۔ جب اعمال میں خوبی اور خوبصورتی نہیں ہوتی تو نہ لوگ راضی ہوتے ہیں نہ رب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کا نصب العین اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق انسانی زندگی کی تعمیر کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول۔'' جمعیت اپنے کارکنان کو عمر بھر کے لیے اِس نصب العین اور اِس کی سمجھ کا تحفہ دے دیتی ہے۔

پاکستان میں رائج کئی طرح کے نظام ہائے تعلیم سے ہمیں اسلامی نقطہ نظر سے اختلاف ہے اور ہم انہیں اسلامی رنگ دینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے نئے الفاظ، نئی تراکیب اور نئے طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اس کا تعلق کسی سیاسی نعرے یا ضرورت سے نہیں بلکہ اپنے دین پر ایمان، اس کے اظہار اور اچھا اور بہتر انسان بننے سے ہے۔

کیا سارے تعلیمی ادارے ہی غلط ہیں

اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے طلبہ و طالبات انفرادی اور اجتماعی طور پر سوال کرنے لگے ہیں کہ اتنے سالوں سے ملک چل رہا ہے۔ تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔ لاکھوں طلبہ فارغ التحصیل ہو چکے۔ لاکھوں ہی اساتذہ سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں پڑھا رہے ہیں۔ کیا سارے ادارے ہی غلط ہیں۔ اگر سارا نظام ہی غلط ہے تو کام چل کیسے رہا ہے؟

ان کا سوال ایک لحاظ سے بالکل درست ہے کیونکہ سوال اہم بھی ہے اور ضروری بھی۔ اس لیے ہم اس سوال کا جواب تھوڑا تفصیل سے دیکھ لیتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم صحیح نہیں ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کس قسم کا نظامِ تعلیم پاکستان کی مثالی ضرورت کے مطابق ہوگا؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ نظامِ تعلیم پر مختصر نظر ڈالیں اور ان حالات کا جائزہ لیں جن کے ماتحت یہ نظامِ تعلیم ہمیں ملا۔

Scanned with CamScanner

یہ نظامِ تعلیم ہمیں کہاں سے ملا

۱۷۶۵ء میں جب مغل شہنشاہ شاہ عالم نے بنگال کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کی تو تمام انتظامی اختیارات کمپنی کے سپرد ہو جانے کے باوجود دفتری زبان از روئے معاہدہ فارسی ہی رہی اور درسی زبان کی حیثیت سے بھی فارسی کا وہ منصب بدستور قائم رہا جو اسے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں حاصل تھا۔ ۱۶ برس بعد ۱۷۸۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہمارے نظامِ تعلیم میں پہلی بار ہمدردانہ دلچسپی لی۔ اس سال وارن ہیسٹنگز نے عربی اور فارسی میں ہمارے علم و ادب کی تعلیم کے لیے کلکتے میں مدرسہ قائم کیا اور اس کے بعد چند سال تک ہمارا نظامِ تعلیم انگریز کی اعانت سے ہماری ہی تعلیمی روایات کے مطابق کام کرتا رہا۔

موجودہ نظامِ تعلیم کا پس منظر اور تعریف

انیسویں صدی کے آغاز میں یہ کوشش کی گئی کہ مسلمانانِ ہند کو اردو کے ذریعے مغربی علوم کی واقفیت بھی بہم پہنچائی جائے لیکن پھر انگریز حکام کے دل میں بتدریج ایک اور خیال پیدا ہوا جس کا پہلا تحریری سراغ ۱۸۲۴ء کے ایک سرکاری مراسلے میں ملتا ہے۔ وہ خیال یہ تھا کہ اہلِ پاکستان و ہند اپنے قدیم علوم سے قطع نظر کریں، صرف یورپی علوم پڑھیں اور ذریعہ تعلیم انگریزی ہو۔ چنانچہ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کی مشہور سرکاری قرارداد نے اس نئی تجویز کو قطعی صورت دے دی۔ یہ نیا طریقِ تعلیم جس میں اہل برصغیر کے لیے ذریعہ تعلیم بھی بدل دیا گیا۔ انگریز حکام نے خاصے غور و فکر کے بعد اختیار کیا تھا اور اس عمل کے بعض دوررس نتائج اُن کے پیشِ نظر تھے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر اس براعظم میں تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک ایسا اقلیتی طبقہ پیدا کرنا مقصود تھا جو (میکالے کے الفاظ میں) ''ہمارے کروڑوں کی اس مخلوق کے درمیان، جس پر ہم حکمران ہیں، ترجمان بن جائیں ایسے لوگوں کا طبقہ جو نسل اور رنگ کے لحاظ سے ہندوستانی مگر اپنے رجحانات، اخلاق اور عقل کے لحاظ سے انگریز ہوں۔'' یہ ہے ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم کی مختصر سی تعریف۔

اس تاریخی بیان کی روشنی میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ انگریز کس قدر سمجھ دار قوم ہے۔ پوری سوچ

Scanned with CamScanner

بچار کے بعد طریقہ طے کیا، پالیسی بنائی اور پھر اس پر پوری شدت سے عمل کیا اور حالت یہ ہے کہ ان کے یہاں سے جانے کے بعد آج بھی یہ نظام تعلیم بہت عمدگی کے ساتھ کام کر رہا اور ان کے پسندیدہ نتائج لا رہا ہے۔ ہر سال انہی کے وفاداروں کی نسل پیدا کر رہا ہے۔ تمام پڑھنے اور پڑھانے والوں کی سوچ ان کی پیروی کی ہے۔ مگر نہ عقل ویسی ہے نہ سمجھ اور سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی صلاحیت کہ جس نے انگریزوں کو غالب بنایا تھا۔ ہماری علمی، تخلیقی اور اخلاقی حالت تباہ کرتے میں بے شک وہ بڑی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں مگر ہمارا ایک ایسا عظیم نقصان اور بھی ہوا جس کے بارے میں اب عام طور پر لوگ بات بھی نہیں کرتے۔ ممتاز ماہرِ تعلیم پروفیسر حمید احمد خاں کہتے ہیں ''ہم اس عظیم علمی اور تہذیبی ورثے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا تھا۔''

ملی اور علمی سرمائے سے محرومی

وقت کے ساتھ ساتھ اُس سے بھی بڑا ایک نقصان یہ بھی پہنچا کہ ہمیں اپنے ملی و علمی سرمائے پر جو فخر و ناز تھا، اسے ہماری موجودہ تعلیم میں موجود مغربی علوم کی تدریس اور ان کی صحت پر اساتذہ کے اصرار نے فنا کر دیا۔ ہم صدیوں سے مہتم بالشان تاریخی روایات کے وارث ہیں اور یہ روایات ہمارے علوم کے ساتھ وابستہ تھیں۔ عربی اور فارسی سے ہماری بے تعلقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ان علمی خزانوں سے محروم ہو گئے جو ان زبانوں میں محفوظ تھے۔ اب کم ہی کسی کو شیخ سعدی کی گلستان، بوستان اور مولانا روم کی مثنوی اور عمر خیام کی رباعیات کی خبر ہوگی۔ ہاں امریکا سے ہر سال مولانا روم، عمر خیام کی رباعیات اور تعلیمات پر نئی کتاب ضرور آ جاتی ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان و ادب اور مغربی علوم سے جو بے شمار فائدے ہمیں پہنچے ان کا انکار کروں لیکن دُکھ بھرا سوال تو یہ ہے کہ اپنی ملی روایات سے ناطہ توڑے بغیر بھی ہم یہ فائدے اٹھا سکتے تھے۔ شکایت یہ ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہماری تعلیم کے لیے ایسا ذریعہ اختیار کیا گیا جو ہماری غیرتِ قومی ہی نہیں، دُنیاوی حکمت کے بھی منافی تھا۔ اس نے ہمیں ہمارے ماضی سے ہی کاٹ کر الگ

Scanned with CamScanner

رکھ دیا اور تاریخ کے علمی تسلسل کو برباد کر دیا۔ اِس عظیم نقصان سے قطع نظر اس ذریعۂ تعلیم نے موجودہ دور میں ہمارے طلبہ وطالبات فکر واظہار کی قوتوں کو بھی سلب کر لیا کہ ہم عقلی طور پر ناکارہ ہو گئے اور ہمارا شمار تیسرے درجے کی قوموں میں ہونے لگا ہے۔'' چونکہ ہم تخلیقی طور پر بالعموم بانجھ ہو گئے ہیں۔ ''کاپی اینڈ پیسٹ'' سے علمی ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ اگر ہمارا ذریعۂ تعلیم ہماری قومی زبان اور فارسی، عربی اور انگریزی میں ہوتا تو ہم زیادہ ترقی کرتے اور بہتر ترقی سے ہر چیز کو سمجھتے۔

انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا کر بھی ہم انگریزی میں کوئی کارنامہ دکھانا تو دور کی بات، اردو سے بھی گئے۔ اردو میں اچھا بولنے، لکھنے کی صلاحیت والے طلبہ اب ڈھونڈنے سے ہی ملتے ہیں۔ انگریزی میں صلاحیتوں اور مہارتوں کا معاملہ تو اس سے بھی بڑا مذاق بن گیا ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے لاکھوں طلبہ وطالبات میں انگریزی پر عبور رکھنے والے، انگریزی سوچنے، سمجھنے اور لکھنے والے آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہیں۔ اساتذہ کا معاملہ بھی اِس سے مختلف نہیں ہے۔ وہ بے چارے اِس زبان میں تعلیم دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو اُن کی نہیں ہے۔ اُس کی تاریخ اور باریکیوں سے بھی ناواقف ہیں اور اُس کی خوبصورتیوں سے بھی۔ نتیجتاً جو زبان چھلنی سے چھن کر ہم تک پہنچتی ہے وہ کسی علمی، ادبی اور اعلیٰ درجے کے تخلیقی کاموں کے لیے کسی طور کفایت نہیں کرتی۔

دینی ودنیاوی تعلیم کا حصول

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف دنیاوی تعلیم حاصل کر کے کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دینی ودنیاوی علوم حاصل کر کے ہی انسان زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق قرآن پاک بھی کرتا ہے، قرآن پاک میں ہے:

واعدوالھم مااستطعتم من قوۃ (۵)

ترجمہ: تیاری کرو! جتنی بھی کی جا سکتی ہے قوت حاصل کرنے کے لیے۔''

سائنسی علوم کے حصول سے قبل

یہاں قوت کے حصول سے مراد جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول ہے اس میں ہمیں اپنے دور کی

Scanned with CamScanner

جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل کرنا پڑے گی۔ یہ تو ہمارے لیے اللہ نے قرآن مجید میں فرض کر دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی علوم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اور وہ لوگ جو یہ کہتے اور سمجھتے ہیں کہ صرف دینی کتب کی تیاری سے کام بن جائے گا، وہ بھی غلط ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف دینوی علوم سے کام بن جائے گا وہ بھی غلطی پر ہیں۔ دونوں کے حسین امتزاج ہی سے کام چلے گا۔ ان کو باہم یک جان کرنے سے کام بنے گا۔ اس کے بغیر تیاری ممکن نہیں لیکن سائنسی علوم کے حصول سے قبل اچھا مسلمان اور اچھا انسان بننا بے حد ضروری ہے۔ اس لیے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جس میں دینی، روحانی اور دینوی علوم خوبصورت توازن کے ساتھ یک جان ہو چکے ہوں۔ اس کے بغیر اس آیت پر عمل ممکن نہیں۔

ہمیں دوسری طرف ایک اور المیہ کا بھی سامنا ہے، دینی نصاب میں صرف چند مخصوص علوم شامل ہیں۔ سائنس، ٹیکنالوجی، طب، تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات، اقتصادیات وغیرہ سے ہمارے دینی مدارس بے تعلق ہو چکے ہیں اور ان کے فارغ التحصیل طلبہ بنیادی تعلیمی علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ دینی ادارے کسی بھی اچھے طالب علم کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے۔ جس کی وجہ سے ان کے اساتذہ کا خلوص اور محنت بھی مدارس کے معیار اور افادیت پر آئے روز کیے جانے والے اعتراضات کا جواب نہیں دے پاتے۔ پھر سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں ایسا نظام تعلیم جس میں موجودہ علوم کے مبادیات کی گنجائش نہ ہو، اپنے دامن میں پناہ لینے والوں کو دینوی علوم سے محرومی کا سٹرفکیٹ دیتا ہے۔

تعلیم کا صرف ایک ایسا نظام ہونا چاہیے جس میں دینی اور دیناوی تعلیم یکساں اہمیت کے ساتھ درس میں شامل ہو۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص خواہ اس نے علمِ دین میں تخصیص حاصل کیا ہے یا علوم دنیا کے کسی شعبہ میں دینی علم سے رابطہ رکھا ہوگا۔ ایک متوازن اور بہتر طالب علم اور انسان ہوگا۔ اس طرح پورے تعلیمی نظام اور پورے معاشرے میں علم کی بالا دستی قائم ہو جائے گی، سارے عالم میں دین کی فضا چھا جائے گی۔

اب سوال یہ ہے کس قسم کا نظام تعلیم پاکستان کی مثالی ضرورت کے مطابق ہوگا؟

Scanned with CamScanner

چند اور اصول ذکر کیے جاتے ہیں جس پر حکومت پاکستان اور وزارتِ تعلیم کو ہی نہیں بلکہ تعلیمی دُنیا سے تعلق رکھنے والے تمام افراد اور اداروں کو سوچ میں ہم آہنگی لانا ہوگی، عمل کرنا چاہیے۔ ورنہ نظام تعلیم جوں کا توں ہی رہے گا مثلاً:

(۱) معلمین کو تعلیم دینے کی ذمہ داری سے پہلے تربیت دینی چاہیے۔

(۲) معلمین بچوں کو سخت سزائیں نہ دیں۔ اس سے اصلاح کی بجائے بچے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) معلمین تقویٰ کا اہتمام کریں خصوصاً حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں۔

(۴) معلمین شاگرد کو اولاد کی طرح سمجھیں۔

(۵) معلمین بچوں پر شفیق و مہربان رہیں۔

(۶) معلمین غصہ میں احتیاط سے کام لیں، زیادتی نہ کریں۔

(۸) معلمین حسن تدبیر اور شاگردوں کی نفسیات کو سمجھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔ انہیں اچھا طالب علم اور اچھا انسان بنائیں۔

(۹) معلمین امیروں کے بچوں کی طرف زیادہ میلان اور غرباء کے بچوں سے بے رحمی نہ کریں۔

(۱۰) معلمین کو اپنے شعبہ میں ماہر ہونا چاہیے اور ان کا تقرر بغیر کسی دباؤ کے میرٹ پر ہونا چاہیے۔

(۱۱) معلمین شاگردوں کے لیے دعا کریں جیسے نبی کریمؐ نے حضرت ابن عباسؓ کو سینے سے لگا کر فرمایا ''یا اللہ اس کو قرآن کا علم عطا فرما۔''

(۱۲) معلمین کو متعلم کی تعلیم و تربیت میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ بچوں کی کمزوریاں دوسروں کے سامنے بیان نہ کریں۔ اس سے احساس کمتری پیدا ہوتا ہے جو اس کی ذہانت کی نشوونما کے لیے مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اس کی قابلیت اور صلاحیت کی خوب تعریف کریں جس سے اس کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو اور حوصلہ بڑھے۔

Scanned with CamScanner

(۱۳) معلمین اپنے طلبہ کی ایک بات پر غصے کا اثر دوسری بات میں نہ نکالیں۔

(۱۴) معلمین طلبہ کی بے وقعتی نہ کریں۔

(۱۵) معلمین غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ یا سزا ہرگز نہ سنائیں۔

(۱۶) معلمین شاگردوں کو ناحق نہ ستائیں، یہ بڑا گناہ ہے۔

(۱۷) معلمین بچوں سے ذاتی خدمت نہ لیں۔

بظاہر یہ معمولی اور کامن سینس کی باتیں ہیں مگر مغرب نے ان کو اُصول اور سٹینڈرڈ بنا کر انہی کو فائدے کا پورے جہاں بنالیا۔

طلبہ کے لیے اصولِ نظام تعلیم

سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں معلم کے اصول، طریقۂ نظام تعلیم معلوم ہونے کے بعد متعلم کے لیے بھی کچھ اصول ہیں جن پر عمل کر کے ہمارا نظامِ تعلیم صحیح معنوں میں درست ہوسکتا ہے۔ ہمارے اساتذہ، شاگردوں اور والدین کو ان اصولوں پر مل کر عمل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر اس نظامِ تعلیم کو درست کرنا ممکن نہ ہوگا۔

طالب علم کے لیے بنیادی اصول:

(۱) متعلم کے لیے لازم ہے کہ وہ استاد کو باپ کی جگہ تصور کریں۔

(۲) طالب علم استادوں کی عزت کریں جیسا کہ حدیث میں ہے:

"تواضعو المن تتعلمون منه.

ترجمہ: جس استاد سے تم علم حاصل کرو اس کا ادب واحترام کرو۔"

اس سلسلے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

من علمی حزفا فقد صیرنی عبداً

جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا اس نے گویا مجھے اپنا غلام بنایا۔ اب چاہے مجھے رکھ لے چاہے فروخت کردے۔"

Scanned with CamScanner

(۳) استاد کی سختی برداشت کریں تب ہی کامیابی ہوگی۔

(۴) اساتذہ کے لیے دعا گو رہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ''میں اپنے اُستاد حضرت حمادؒ کے لیے ہر نماز کے بعد اپنے والدین سے بھی پہلے دعا اور استغفار کرتا ہوں۔''

(۵) اساتذہ کے ساتھ آواز بلند کر کے باتیں نہ کریں۔ یہ ناشائستگی ہے۔

(٦) حضرت علیؓ نے طالب علم کو چند نصیحتیں فرمائی تھیں جن میں سے چند یہ ہیں:

''عالم (استاد) کا یہ حق ہے کہ اس سے کثرت سے سوالات نہ کیے جائیں، نہ اس سے بحث کی جائے، نہ اس کی طرف اشارہ کرے، نہ اسے کنکھیوں سے دیکھے، نہ اس کے پوشیدہ بھیدوں کی کھوج میں لگے، نہ اس کے سامنے کسی کی غیبت کرے اور وہ خواہ موجود ہو یا غائب ہر حال میں اس کے مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے، مجلس میں اس کے سامنے بیٹھے، اگر استاد کو کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کی خدمت میں سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔''

(۷) آنحضورؐ نے طالب علم کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ علم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے حاصل کیا جائے۔

(۸) طلبہ صرف دنیاوی اغراض کے لیے علوم دین حاصل نہ کریں۔ اس پر ایک حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ''جس شخص نے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں، دنیاوی اغراض حاصل کرنے کے لیے سیکھے تو وہ روزِ قیامت جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔''

(۹) متعلم علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے۔ اسی بنا پر آپؐ نے حصولِ علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی تاکید فرمائی ہے اور عمل نہ کرنے پر سخت وعید بیان کی ہے۔ ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک سب سے بُرا شخص وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔

زیادہ بن ولیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے کسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ علم کے جاتے رہنے کے وقت ہوگا۔ یہاں تک کہ کچھ علم نہ بچے گا۔''

Scanned with CamScanner

زیادؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ علم ہم سے کیسے جاتا رہے گا۔ جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ہم یہ اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھاتے رہیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا ''افسوس میں تو تمہیں مدینہ کا سمجھدار آدمی سمجھتا تھا، یہ یہودی اور عیسائی بھی تو توریت اور انجیل پڑھتے ہیں پس انہیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟''

آپؐ نے تعلیم وتربیت پر جوزور دیا ہے اور معلم و متعلم کو سیکھنے سکھانے کے جو اصول وطریقے بتائے ہیں ہمیں ان ہی اصول وطریقوں پر رہ کر اپنے اساتذہ اور طلبہ کی تربیت کرنی ہے۔ اُستاد علم سکھانے اور پڑھانے میں اللہ کی رضا کا طالب ہوگا تو یقیناً اُسے وہ بھی حاصل ہوگی مگر ساتھ طلبہ کا احترام اور عزت بھی ضرور ملے گی۔

اِس طرح طلبہ اپنے اساتذہ کا خیال رکھیں گے تو پڑھائی عبادت جیسی مفید ثابت ہوگی۔ یہی سوچ قوم بناتی اور قوموں کو سربلند کرتی ہے۔

جرمنی کے ۶ر جرنیلوں سے سوال

ایک سوال جرمنی کے ۶ جرنیلوں سے بھی کیا گیا تھا۔ یہ ہٹلر کے سالار تھے اور اس کی شکست کے بعد نورم برگ کی جیل میں تھے۔ پھانسی سے ایک رات پہلے ان سے پوچھا گیا:

''وصیت لکھو گے؟''

جواب ملا ''ہاں کیوں نہیں؟''

کاغذ پنسل فراہم کردی گئی۔

پھانسی کی صبح وصیت پڑھی گئی۔

کسی ایک نے بھی اپنے خاندان یا بچوں کے نام ایک لفظ نہیں لکھا تھا۔ چھ کے چھ نے ایک ہی بات لکھی تھی۔

''آنے والے کل ہمیں کس طرح ایک قوم کی طرح جینا ہے اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کا کیا کریں کہ کل دوبارہ پوری آن بان شان سے باعزت قوم کی طرح کھڑے ہوسکیں۔

ہم مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سانحے کے بعد بھی نہ سنبھل سکے اور نہ سمجھ سکے کہ ہندو اساتذہ نے کیسے بنگلہ مسلمانوں طلبہ کے ذہنوں میں ملک اور دین کے خلاف زہر بھر دیا اور اپنی وہ ذمے داری پوری کی جواُن کے بڑوں نے اُن کے سپرد کی تھی۔

وہ نوکری مشرقی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں کرتے تھے مگر تعلیم پاکستان سے دُوری اور نفرت کی دیتے رہے۔ دین کے مضبوط رشتے اور تعلق کو ہی اپنی تربیت سے توڑ دیا...... یہ مشکل ہمیں اب بھی درپیش ہے۔ لوگ نوکری اُس ملک کی کرتے ہیں اور اِسی کی جڑیں کاٹنے اور مغربی علوم کی محبت اور انہی پر ایمان لانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

قوم کا سینٹر آف گریویٹی

ہر قوم کا ایک سینٹر آف گریویٹی ہوتا ہے اسی سے قوم قائم رہتی ہے اور اس کو چھوڑنے سے ختم ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کی معروف صحافی اردن دھتی نے ایک بار لکھا

''کشمیری قوم کا سنٹر آف گریویٹی آزادی ہے۔ اس سے کم پہ وہ راضی نہیں ہوں گے۔ انہوں نے لڑنا چھوڑ کر پُرامن جدوجہد شروع کر دی ہے۔ اب ان کی آزادی کو کیسے روکا جاسکتا ہے۔''

سوال تو یہ ہے کہ ہمارا سینٹر آف گریویٹی کیا ہے؟

ہر قوم پر کٹھن وقت آتا ہے۔ جیسے پریشر ککر میں رکھے گوشت اور سبزیوں پہ آتا ہے۔ برنر جلے گا تو وہ پکے گا۔ اس تپش سے قوم بنتی اور بگڑتی ہے۔ زیادہ مل جائے تو بھی اور کم پکے تو بھی۔ اِسی لیے ہمیں زیادہ تشویش ہے کہ ہمارے پاس قوم بنانے کی فکر اور ترکیب ہی نہیں ہے۔

کوئی اچھا طالب علم جمعیت میں آئے کیسے؟

اس دوران ایک سوال بڑے تواتر سے کیا جاتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں سمسٹر سسٹم ہے اور روزانہ کی کلاسز، پراجیکٹ، اسائمنٹس، تھیسز، کیس سٹڈیز، نئے زمانے کی نئی اصلاحات ہی نہیں۔ صلاحیتوں اور اوقات کا زیادہ حصہ انہی کی نظر ہو جاتا ہے۔ کوئی اچھا طالب علم جمعیت میں

Scanned with CamScanner

آنا بھی چاہے کام کرنا بھی چاہے تو کیسے کرے اور کیا کرے۔

جواب معمول سے ہٹ کر ہے۔ چونکہ کچھ عرصہ قبل پاکستان کی ایک بہت اعلیٰ یونیورسٹی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے آڈیٹوریم میں طلبہ سے ٹائم مینجمنٹ پر منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے میں نے پوچھا تھا کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک گھنٹے میں جو لوگ روزانہ ۱۵ رمنٹ ضائع کرتے ہیں وہ اپنی عمر عزیز کا کتنا حصہ ضائع کرتے ہیں۔ جواب ایک مسکراہٹ اور طلبہ کی جھنجھناہٹ کی صورت ملا حالانکہ جواب آسان تھا اور نپا تلا بھی۔

روزانہ جاگنے والے ۱۶ ر گھنٹوں میں ۴ر گھنٹے ضائع کرتے ہیں، مہینے میں ۱۲۰ ر گھنٹے، سال میں ۱۴۴۰ ر گھنٹے۔

یوں ان کی زندگی کا سال ۳۰۵ ر دنوں کا بچتا ہے۔

روزانہ ۸ ر گھنٹے کی نیند منہا کر دی جائے تو باقی دن ۱۸۵ ر رہ جاتے ہیں۔

ذرا ان میں سے کھانے پینے، آنے جانے، ملنے ملانے کے اوقات کا تعین کر لیں تو کس قدر خوفناک تصویر سامنے آتی ہے۔

کیا ہمارا عام طالب علم گھڑی کی سوئیوں سے بندھا ہوا ہے اور بالکل ہی وقت ضائع نہیں کرتا۔

سوال وقت ضائع ہونے سے بچانے اور مفید ترین کام میں لگانے کا ہے۔ کیا خوب کہا تھا

تم اپنے بارے میں مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو
یہ تم سے کس نے کہا آئینے ضروری ہیں

وقت کے بہترین استعمال کا سوال

آج کے طالب علم کی زندگی قیمتی ہے تو وقت قیمتی تر۔ اسی لیے اس کے بہترین استعمال کا سوال زیادہ شدت سے اٹھتا ہے۔

ہمارا ماننا یہ ہے

کہ زندگی کا مقصد واضح ہو اور آپ کا دل اس پر مطمئن اور ٹھکا ہوا یکسو ہو تو

بہترین نتائج پیدا کیے جا سکتے ہیں۔

یہ مقصد، زندگی کو لگن Passion، قوت اور واضح لائحہ عمل دیتا ہے۔ یہی تصورات کو نئے سرے سے تشکیل دیتا، نئی دوستیاں بناتا، نیا علم سکھاتا اور دانائی کے مراکز تک لے جاتا ہے۔ یہ مقصدِ زندگی جبراً تھوپا نہیں جا سکتا، شیئر کیا جا سکتا ہے، اشتراک ہو سکتا، سمجھایا اور بتایا جا سکتا ہے۔ اِس کے فوائد اور فضائل پر بات ہو سکتی ہے مگر اِس کا فرد کو فائدہ تبھی ہوتا ہے جب وہ پوری آزادی، اپنی مرضی اور منشاء کے ساتھ طے کرتا ہے کہ اپنی زندگی کو کسی رُخ اور کسی ڈھنگ سے بسر کرنا ہے اور جب یہ مکمل ہو گی تو تب تک کسی ہدف اور ٹارگٹ کو سامنے رکھتے ہوئے اعمال، افعال اور ساری سرگرمیاں سوچنی اور ترغیب دینی ہیں۔

آپ باصلاحیت ہو

دنیا کے اچھے برے پہ سوچتے ہو

کامیاب ہونا چاہتے ہو

بہترین دوست بنانا چاہتے ہو

زندگی کو حفاظت اور سلیقے سے گزارنا چاہتے ہو

نئے علوم اور مہارتیں سیکھنا چاہتے ہو

خیالات کی خوبیوں کے حامل ہو

دوسروں کی زندگی سنوارنے کے خواب رکھتے ہو

دنیا سے بدصورتی، بے عملی اور گناہوں کو کم کرنا چاہتے ہو

اپنے ملک کا نام اور تاثر بلند اور بہتر کرنا چاہتے ہو

امت مسلمہ سے محبت اور تعلق کو مضبوط کرنا چاہتے ہو

اپنے رب سے اعلانیہ محبت کرنا چاہتے ہو

اور یہ بھی چاہتے ہو کہ یہ سب ہو اور یہ آپ کی زندگی کے بینک بیلنس میں اس طور پر جمع ہو کہ کل آخرت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب آپ کے داہنے ہاتھ میں ہو اور چمکتے چہرے کے ساتھ ہو تو یقین جانیے آپ کا مقام اسلامی جمعیت طلبہ کے اندر ہے باہر نہیں،

Scanned with CamScanner

جمعیت نہ صرف تعلیمی اداروں میں مقامی قیادت کی تیاری کا اہتمام کرتی بلکہ تعلیم کی تکمیل ہونے کے بعد معاشرے کو قائدین کی فراہمی بھی اس کے مدنظر رہتی ہے۔ حکومتی اداروں، بزنس، کارپوریٹ، میڈیا غرض جہاں جہاں بھی جمعیت کے کارکنان جاتے ہیں اپنی صلاحیتوں اور کردار سے اپنا آپ منواتے ہیں۔

آپ کے خوابوں کی تکمیل میں معاون

اسلامی جمعیت طلبہ اپنے کارکنان کو قرآن و حدیث کے علم اور تعلیم کی روشنی مین جن مزید باتوں پہ توجہ دلاتی اوران کی تربیت کرتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

1۔ قابل بھروسا اور ایمان دار ہونا
2۔ باہمت، بہادر اور جرأت مند ہونا
3۔ خودغرضی سے پاک طرز عمل رکھنا
4۔ رحم دلی، دوستانہ پن اور بے متعصب ہونا
5۔ اساتذہ اور بڑوں کی عزت کرنا
6۔ نئے علم سے گہری دوستی رکھنا
7۔ اعتماد اور اعتبار سے بھرپور شخصیت ہونا
8۔ وسیع اظرفی، وسیع النظری کا حامل ہونا
9۔ دھیما پن، دوسروں کی بات سننے کا ہنر ہونا
10۔ خدمت گزار اور مخلص ہونا

بات ایک سوال سے شروع ہوتی تھی

بظاہر بات ایک سوال سے شروع ہوئی تھی۔ سوال سیدھا، سادا اور خوب ہو تو جواب بھی دل پسند ملتا ہے اور اس سوال کا واضح جواب صرف جمعیت کے پاس ہے اور وہ یہ کہ اربوں انسانوں

Scanned with CamScanner

کے راہنما اور کائنات کے خالق اور مالک کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا ''لوگوں سے پیار بھرا برتاؤ آدھی عقل ہے اور اچھا سوال کرنے کی خوبی آدھا علم ہے۔''

پھر مزید فرمایا ''اخراجات میں میانہ روی آدھی خوشحالی ہے۔''

اسلامی جمعیت طلبہ کا کارکنان اس حدیث مبارکہ کو اس کی پوری روح کے ساتھ سمجھنے اور عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ میں کسی اور کی مثال کیوں دوں۔ ۸۰ کی دہائی کے آخر تک جب تعلیمی اداروں میں طلبہ یونینز کے الیکشن ہوتے تھے۔ چھوٹے بڑے کالجز میں جمعیت کے طلبہ اور نمائندے ہمیشہ اپنی خدمت اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے طلبہ کا پہلا انتخاب ہوتے۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں طلبہ تنظیموں اور کالج یونینز پہ پابندی کے سال جمعیت پنجاب بھر کے ۱۶۲ کالجز میں جیت چکی تھی۔ دوسری طلبہ تنظیموں سے مقابلے کی فضا میں بعض مقامات پر بدمزگیاں بھی ہوئیں مگر جمعیت نے اس پر نہ صرف چیک رکھا بلکہ اگر اپنے ساتھیوں کی غلطی پائی گئی تو انہیں سزا بھی دی گئی۔ بعد کے سالوں میں جمعیت نے بطور تنظیم فیصلہ کر کے تعلیمی اداروں میں کام کرنے والی تنظیموں کے ساتھ نہ صرف دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا بلکہ طلبہ تنظیموں کا اتحاد قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ تعلیمی اداروں میں لڑائیاں ختم ہوئیں اور خاص طور پر بڑے تعلیمی اداروں پر اخلاق و کردار اور طلبہ کی خدمت کی بنیاد پر کام کرنے کے بجائے زور زبردستی قبضہ کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ جمعیت کے کارکنان کے اچھے اخلاق اور اچھے برتاؤ کی تعریف ان سے اتفاق نہ کرنے والے بھی خوش دلی سے کرتے ہیں۔ ''جماعتیوں کا اخلاق بڑا اچھا ہوتا ہے۔'' قسم کے جملے اسی بات کی گواہی ہے۔

یہ ساری باتیں جو ایک سوال سے شروع ہوئیں شاید سوال پہ ہی ختم ہونے جارہی ہیں کہ اصل میں یہ ایک یاددہانی تھی، بلاوہ تھا، دعوت تھی اور ہمارا ماننا یہ ہے کہ یاددہانی یادوں اور باتوں کو یوں چمکا دیتی ہے جیسے گھر میں سیڑھی پہ لگی ریلنگ بار بار کپڑے یا ہاتھوں کی رگڑ سے چمکنے لگتی ہے۔ ایسے ہی یہ باتیں بھی سوچ کے منجمد زاویے کھول دیتی اور اُنہیں چمکا دیتی ہیں۔ ذرا غور کیجیے تو آپ کو لگے گا کہ خود آپ بھی اس لمحے باقاعدہ سوچ رہے ہیں کہ اِتنی دیر جمعیت سے دُور کیوں رہے؟

لفظ تعلیم کے معنی و مفہوم

لفظ ''تعلیم'' عربی کے سہ حرفی لفظ ع۔ل۔م سے ماخوذ ہے جس کے معنی جاننا، یقین کرنا، سمجھنا، واقفیت حاصل کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر تعلیم کا لفظی مفہوم کسی کو دینا یا بہم پہنچانا ہے مگر تعلیم محض علم پہچاننے کا نام بھی نہیں۔ اس میں، اخلاقی اور معاشرتی لین دین کی تربیت ہوتی ہے۔ لفظ تعلیم کو انگریزی میں ایجوکیشن (Education) کہتے ہیں۔ یہ لفظ (Ede) سے بنا ہے جس کے معنی نکالنا ہیں۔ ایک خیال کے مطابق یہ لفظ لاطینی زبان کے دو لفظ (E) یعنی نکالنا اور (Ducere) یعنی مدد کرنا سے ماخوذ ہے جس کے معنی باہر نکالنے میں مدد دینا ہے۔

نبی کریمؐ کی تعلیم کا آغاز بھی

اقرا باسم ربک الذی خلق O خلق الانسان من علق O اقرأ و ربک الاکرم O الذی علم بالقلم O

ترجمہ: پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔

آپؐ کی آمد ہی سے علم سیکھنے اور سکھانے پر زور دیا گیا۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے ہمیشہ علم اور طالبانِ علم کی عظمت کو مختلف طرح ان کے ذہن نشین کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ ''صاحبِ علم کو عبادت گزار پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی مجھ کو تم میں سے کسی معمولی فرد پر حاصل ہے۔'' طلبِ علم کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ ''طالبانِ علم کے لیے فرشتے اپنے بال و پر فرش پر بچھاتے ہیں۔'' علم کو مہد سے لحد تک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا کہ طلبِ علم ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔ علم سیکھنے سکھانے پر جس قدر زور آپؐ نے دیا شاید ہی کسی نبی نے دیا ہو۔ اس کا علم اس بات سے ہوتا ہے کہ بدر میں گرفتار کیے جانے والے بعض کفار قیدیوں کی رہائی کے لیے آپؐ نے ۱۰، ۱۰ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے والے کو ان کا فدیہ قرار دیا۔

بعض صحابہ کو آپؐ نے عبرانی زبان سیکھنے پر مامور کیا، اور نماز کی امامت میں قراء قرآن مجید کو

Scanned with CamScanner

سب سے زیادہ اولیت دی۔ آپ کے دور میں تعلیم کا اتنا چرچا ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی مسجد کے اندر بیک وقت ۱۴۰۰،۱۴ سو طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ حیرت انگیز کامیابی صرف تیس سال کی مختصر مدت میں عمل میں آئی اور دنیا نے آپ ؐ کی تعلیم و تربیت کا سو فیصد نتیجہ دیکھا۔ تاریخ انسانیت کے کسی معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بہر حال آنحضرتؐ کے انداز تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے لیے ممکن نہیں، لیکن میں یہاں کچھ خصوصیات کا ذکر کروں گا کہ جس پر عمل کر کے ہم پاکستان کے لیے مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ اس راستے سے ہٹ کر ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور اس سے بڑھ کر طرزِ تعلیم کا نمونہ ہمیں کہیں نہیں مل سکتا۔

نظامِ تعلیم کی درستگی کے لیے استاد اور شاگرد کی تربیت کی اشد ضرورت ہے اس کے بغیر نظامِ تعلیم درست نہیں ہو سکتا۔ نظامِ تعلیم کے اصول ہمارے بہت سے علماء کرام نے اپنے اپنے مضامین بڑی محنت سے حضور انورؐ کے طریقۂ تعلیم سے اخذ کیے ہیں اور یہ اصول ایک دوسرے سے تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ کچھ اصول سیرت النبیؐ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) متعلم کی توجہ کو مرکوز کرنا: یہ تعلیم میں کامیابی کے لیے پہلی شرط ہے کہ استاد شاگردوں کی توجہ کو مرکوز کرنے میں کامیابی حاصل کرے تاکہ وہ استاد کی بات دلچسپی کے ساتھ سنیں اور اس طرح ان کے ذہن و دماغ میں مطلوب تعلیم کا نقش ثبت ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے نبی کریم متعلمین سے سوال معلوم کر کے ان کو جواب معلوم کرنے کی طرف متوجہ کرتے۔ ''رسول اللہؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابۂ کرامؓ کو ایک نہایت ہی اہم مسئلہ کی تعلیم دینے کی خاطر سوال کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ اور کون سا دن ہے؟ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہؐ شہر، مہینہ اور دن کے نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اپنی مبارک زبان سے مکہ شریف، ذی الحجہ اور یوم النحر کا نام لیا اور فرمایا کہ جس طرح تمہارا یہ شہر، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ دن حرمت و عظمت والے ہیں، اسی طرح تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت اور عظمت رکھتی ہیں۔'' سوال کے اسلوب کو

Scanned with CamScanner

اور زیادہ مؤثر بنانے کے لیے بعض دفعہ آپ کوئی ایسا سوال کرتے جس کا جواب ہر شخص دے سکتا لیکن آپ اس معروف جواب کے بجائے سوال کا جواب دیتے ہوئے کسی ایسی حقیقت کی تعلیم دیا کرتے تھے مثلاً ''ایک بار آپؐ نے دریافت کیا **اتدرون المفلس**؟ کیا تم کو معلوم ہے مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا، یا رسول اللہؐ ہم اُسے مفلس کہتے ہیں جو درہم اور دینار سے تہی دست ہو۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کا مفلس انسان وہ ہے جس نے دنیا میں نیکیاں تو بہت کی ہوں لیکن لوگوں کے حقوق بھی بہت مارے ہوں تو قیامت کے دن اس کی ساری نیکیاں اس سے لے کر ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے حقوق اس نے تلف کیے تھے اور اگر اس طرح بھی حساب برابر نہ ہوا تو ان لوگوں کے گناہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے۔'' تعلیم کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے بھی آنحضرتؐ اصل مقصود کے اظہار سے قبل کوئی نہایت چونکا دینے والی بات فرماتے تاکہ سامعین پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ مثلاً ایک بات ''آپؐ نے فرمایا اس شخص کے لیے تباہی ہو، اس شخص کے لیے تباہی ہو، اس شخص کے لیے تباہی ہو۔ اصحاب نے دریافت کیا کہ وہ جون بد بخت ہے جس کے بارے میں حضور اکرمؐ یہ ارشاد فرما رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا! بوڑھ ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والے کے لیے۔''

(۲) عملی مظاہرہ: کسی حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے استاد کو متعلمین کے سامنے عملی مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے چنانچہ حضور انورؐ نے بھی اپنی تعلیم کا بیشتر حصہ عملی مظاہرہ کے ذریعے عام فرمایا: مثلاً ''ایک شخص نے جب حضور اکرمؐ سے نماز کے اوقات دریافت کیے۔ آپؐ نے اس کو اپنے پاس دو دن تک روک لیا۔ پہلے دن آپؐ نے پانچوں نمازیں نہایت اول وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن ساری نمازیں آخری وقت میں ادا کیں۔ اور پھر سائل سے کہا کہ نماز کا وقت ان دنوں وقتوں کے درمیان ہے۔'' اسی طرح آپؐ نماز کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ''جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔'' اسی طرح حج کے بارے میں فرمایا: ''**خذو عنا مناسککم**۔ حج کے مناسک تم مجھ سے عملاً حاصل کرو۔'' بعض اوقات کسی علمی نکتے کو سمجھانے کے لیے اس کو مخصوص شکل میں پیش کرنا پڑتا ہے چنانچہ ایک بار قرآن کی اس آیت کی

Scanned with CamScanner

تفسیر فرما رہے تھے۔

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعو السبیل فتفرق بکم عن سبیلہٖ○

اے بندو! یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس راستہ کی پیروی کرو۔ دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ راہیں تم کو میری راہِ راست سے دور کر دیں گی۔ پھر آپ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے ساتھ بہت سی لکیریں ٹیڑھی ترچھی بنا کر بتایا کہ منزل تک پہنچانے والی یہ سیدھی لکیر ہے۔

(۳) تکرار و اعادہ: حضور انورؐ ہر بات کا اعادہ فرماتے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ کر یاد رکھ سکیں۔ چنانچہ ایک بار حضور انورؐ شرک اور جھوٹی گواہی کی برائی کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس جملے کا بار بار دیر تک اعادہ کرتے رہے۔ ''بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔'' ہمارے معلمین کو اس طرف توجہ دینے کی شدید ضرورت ہے تاکہ ہمارے متعلمین کو استاد کی بات کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ بعض شاگرد استاد سے پوچھتے ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ استاد کا رعب اتنا ہوتا ہے کہ شاگرد کچھ پوچھ نہیں سکتا۔ اگر پوچھ لے تو اسے ڈانٹتے ہیں کہ لیکچر کے وقت سو رہے تھے۔ اگر حضور اکرمؐ کے اس فرمان پر عمل کریں کہ ہر بات کو دو یا تین بار دہرائیں تو متعلم کو پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

(۴) تشبیہات کا استعمال: معلم کو کوئی بات متعلم کے ذہن میں بٹھانے کے لیے مثالوں کا استعمال کرنا چاہیے کہ جس کی وجہ سے متعلم کو وہ بات زندگی بھر یاد رہ سکے مثلاً ''آپؐ نے ایک بار دریافت کیا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے دریا رواں ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر پھر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا پانچ وقت کی نمازوں کی یہی مثال ہے۔ ان نمازوں سے اللہ تعالیٰ اسی طرح گناہوں کو مٹاتا رہتا ہے۔'' ایک اور مرتبہ دنیا کی حقیقت ذہن نشین کراتے ہوئے فرمایا کہ ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈبوئے تو سمندر میں سے جتنا پانی اس کی انگلی میں لگے گا آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بھی وہی نسبت ہے۔''

Scanned with CamScanner

(۵) سائل کے سوال کو توجہ سے سننا: کسی شخص کو اپنی بات سمجھانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھا جائے۔ اس غرض سے معلم کو شاگرد کا سوال توجہ سے سننا چاہیے تاکہ ایک طرف سائل کو یہ اطمینان حاصل ہو کہ اس کی بات مکمل توجہ سے سنی گئی ہے۔ دوسری طرف جواب دینے والا اصل ذہنی الجھن کو سمجھ کر شافی جواب دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ کے متعلق صحابہؓ کا بیان ہے کہ آپ کسی کی بات نہ کاٹتے تھے جب کہنے والا اپنی بات پورے اطمینان سے کہہ لیتا تو آپ اس کا جواب دیتے تھے۔

(۶) سوال و جواب کا ذریعہ تعلیم: یہ طریقۂ تعلیم زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اور اس طریقے سے طالب علم زیادہ بہتر طریقے سے مسائل کو سمجھ لیتا ہے۔ اس طریقِ تعلیم کی متعدد مثالیں حضور اکرمؐ کے مدرسہ علمی میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک بار یا ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے حضور اکرمؐ سے کئی سوالات کیے تاکہ صحابہ کرامؓ ان سوالوں کے صحیح جوابات سے واقف ہو جائیں۔

(۷) قول و عمل کی یکسانی: آنحضرتؐ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ جو کہا اس پر عمل کر کے دکھایا مثلاً رات کو نفلی قیام کی وجہ سے پیروں میں ورم ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپؐ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیاں معاف کر دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! **افلا اکون عبداً شکوراً** کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

(۸) نفسیات کا لحاظ: یہ بھی ایک ضروری امر ہے جس کی طرف استاد کو خاص خیال رکھنا چاہیے۔ آنحضورؐ اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

(۹) طویل خطبوں سے اجتناب: موجودہ دور میں اس چیز کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وعظ و نصیحت اور خطبوں کو طویل نہ کریں۔ اس سے لوگ اکتا جاتے ہیں اور پھر کسی ایسی جگہ نہیں جاتے جہاں ایسی حرکت ہوتی ہے۔ آنحضرت بھی طویل خطبوں سے اجتناب کرتے اور دوسروں سے بھی لمبی لمبی یا بے موقع نصیحتیں کرنے سے منع کرتے تھے۔

Scanned with CamScanner

(۱۰) عزت نفس کا خیال: ہمارے معلمین اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے اور اپنے شاگردوں کو اتنی بُری طرح بے عزت کرتے ہیں کہ اس سے طالب علم میں ضد اور اپنی غلطی پر اصرار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ ؐ کسی کو تنبیہ کرنا چاہتے تو اکیلے میں یا مجمع میں عام طور سے فرما دیتے جس سے کسی کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔ مثلاً **مابال اقوام یفعلون کذا** بعض لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ فلاں کام کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی برائی کا ذکر نام لے کر کرنا چاہتے تو اس شخص کی بہت خوبیاں بیان کرتے مثلاً ایک بار آپ نے ایک شخص کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا! "**انعم الرجل خریم الاسدی۔** خریم اسدی بہت اچھا انسان ہے کاش اس میں فلاں کمزوریاں نہ ہوتیں۔"

(۱۱) اصلاح میں صبر و تحمل: یہ امر بھی استاد کے لیے ضروری ہے ورنہ غصہ میں آ کر بچوں پر زیادتی کرے گا۔ حضور اکرم ؐ کا یہی طریقہ تھا مثلاً "ایک بدوی مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آنحضرت ؐ نے صحابہؓ کو روک دیا۔ جب اعرابی پیشاب سے فارغ ہوا تو آنحضرت ؐ نے نہایت شفقت سے اسے فرمایا کہ یہ مساجد اس قسم کے معاملہ کے لائق نہیں ہیں۔ آنحضرت ؐ نے بڑی حکمت کے ساتھ معاملہ کو سلجھایا کہ اعرابی کو ناگوار بھی نہیں گزرا اور اس کی سمجھ میں بھی آ گیا۔" اسی طرح آنحضرت ؐ کسی زاتی تکلیف کی وجہ سے کسی پر غصہ نہ فرماتے۔ "حضرت انسؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں سرکار کی خدمت میں دس سال رہا اس عرصہ میں آنحضرت ؐ نے مجھے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی اور جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور جو کام میں نے نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا۔"

(۱۲) اخلاص، خیر خواہی اور ہمدردی: معلم کو اپنے اندر اخلاص کی کیفیت بھی پیدا کرنی چاہیے جس سے متعلم کے قول و عمل میں اخلاص کا رنگ، خیر خواہی کی مٹھاس اور ہمدردی کی لذت محسوس ہو۔ خیر خواہی اور ہمدردی کا مطلب یہ نہیں کہ رشتے داروں، عزیزوں اور دوستوں کی حمایت کر کے انہیں فائدہ پہنچایا جائے اور بے گناہ شخص کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ "ایک بار فاطمہ نامی ایک بااثر قریشی عورت نے چوری کی۔ نبی کریم ؐ کے سب سے پیارے صحابی اسامہ بن زاہدؓ جو آپ

کے منہ بولے بیٹے تھے، حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ اُن کی سفارش سُن کر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ پہلی اُمتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ بے حیثیت مجرموں کو سزا دی جاتی تھی اور بااثر لوگ سزا سے بچ جاتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' اخلاص سے متعلق حضرت امام یوسف کا قول ہے کہ ''اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہے۔''

(۱۳) اجتماعی ماحول کے ذریعہ اصلاح: معلم کو درس گاہ کا ماحول اور معاشرہ کا ماحول اس طریقہ سے درست کرنا چاہیے کہ جس سے ماحول میں برائی ہو ہی نہ سکے۔ اس مقصد کے لیے نبی کریمؐ نے مسلم معاشرے کے ہر فرد میں **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کی روح پھونک دی اور ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ میں ذمہ دار اور جواب دہ قرار دیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ''**کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ**۔'' ترجمہ: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کے حلقۂ ذکر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' اس حدیث کی روشنی میں معلمین کو چاہیے کہ **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** کی طرف خاص توجہ مبذول کرائیں تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے رسوا ہونے سے بچ جائیں۔

مختصراً کچھ اور اصول بھی نظر آتے ہیں جن کا ذکر کرنا مفید ہوگا۔

زہد و قناعت: معلمین کو اس طرف بھی خصوصاً توجہ دینی چاہیے کیونکہ معلمین جب تک خود زہد و قناعت اور خودداری پر عمل نہیں کریں گے تو ضرور اس کا ردِّ عمل بچوں کے لیے مضر ہوگا۔ معلم کبھی اپنے شاگرد کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اس سے اس کی حیثیت میں فرق آتا ہے جو کہ نظام کو خراب کرتا ہے۔ حضور انورؐ غزوۂ احزاب میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ نے بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے جہاں پتھر باندھ رکھے تھے۔ حضور اکرمؐ نے جب اپنا بطنِ مبارک کھول کر دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

مساوات اور بھائی چارہ: معلم بچوں میں مساوات اور برابری رکھے، خصوصاً لڑائی جھگڑے

Scanned with CamScanner

کے موقع پر عدل وانصاف قائم رکھے۔ اس بات کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ **انما المؤمنون اخوۃ** ۔ مومن آپس میں بھائی ہیں اور حضور انورؐ نے بھی اسی کی تعلیم دی اور یہ بھی فرمایا کہ قطع تعلق کرنے والے کی مغفرت نہ ہوگی۔ آپ نے جو بھی تعلیم دی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ کام میں مصروف رہتے اور ان کو اپنا بھائی سمجھتے۔ ایک موقع پر خندق کھودی جا رہی تھی۔ حضور اکرمؐ بھی ان کے ساتھ اس کام میں مصروف رہے کہ کہیں صحابہ کرامؓ کے دل میں حضور اکرمؐ کی طرف سے یہ گمان نہ ہو کہ آپ صرف حکمرانی کرتے ہیں۔

ایثار: اس کی تعلیم عموماً معلم کے الفاظ اور فلسفے سے آگے نہیں بڑھتی لیکن آپؐ نے اپنے عمل سے اس کی تعلیم دی چنانچہ حضرت فاطمہؓ جو آپؐ کی محبوب بیٹی تھیں۔ انہوں نے آ کر آپؐ سے عرض کیا کہ چکی پیستے پیستے ان ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں انہیں کوئی خدمت کرنے والی دے دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا ابھی صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا اس لیے تمہاری خواہش پر عمل ممکن نہیں۔"

کہ ہمارا ماننا یہ ہے

کہ بے شمار انسانی غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اسلامی جمعیت طلبہ ہی وہ تنظیم ہے جو آپ کا پوری محبت سے انتظار کر رہی ہے تاکہ ان سارے خوابوں کی تکمیل میں آپ کی مدد بھی کر سکے اور راہنمائی بھی۔

اس پہ ضرور سوچیں مگر ہم سے رابطہ کرنے اور رابطہ رکھنے میں دیر مت کریں۔
کہ ہر عمر کے ہر سوچنے، سمجھنے والے ذہن کے اِس سوال کا جواب جمعیت ہی کے پاس ہے۔
اِس لیے بھی کہ جمعیت خود مجسم جواب ہے۔ ایسا جواب جس کو سنے، سمجھے اور اختیار کیے بغیر حقیقی خوشی کا حصول دُنیا و آخرت میں کامیابی کی سرشاری اور اپنے ربِ رحمان کی قربت اور رضا کا سفر آسان نہ ہوگا۔ دوسروں کی زندگیاں بنانے سے پہلے اپنی زندگی کی خوبصورتی سے تراش خراش ہی رضائے الٰہی کے حصول کی منزل کا پہلا زینہ ہے۔ جس پر چڑھنا یقینی طور پر آپ کی زندگی کو خوشی، کامیابی سے ہمکنار کرنے کا اِن شاء اللہ باعث ہوگا۔

Scanned with CamScanner

ممکن ہے یہ سوال کسی ایسے جواب تک لے جائے جس میں خوشی چھپی ہو۔ کامیابی کا کوئی گُر ترقی کا کوئی راز، آگے بڑھنے کا کوئی راستہ، دوسروں کو جاننے اور جانچنے کا کوئی پیمانہ، خدمت کا کوئی وصف، علم کا کوئی پوشیدہ گوشہ، فہم کی بات، تدبیر کی سوغات اور سوال صرف اتنا ہوتا ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ سے کیا؟

یہ سوال کیوں ہوتا ہے

سوال کرنے والوں کی یادوں میں جمعیت کے پوسٹرز ہوتے ہیں، کہیں جلسے، کہیں جلوس، کچھ نے اسلامی جمعیت طلبہ، اس کی کتابوں، لائبریریوں اور سٹڈی سرکلز کا سن رکھا ہوتا ہے۔ کچھ نے جمعیت کے کارکنان کی بے لوث محبّت، توجہ، محنت اور بھاگ دوڑ کو دیکھ رکھا ہوتا ہے۔ کچھ نے اخبارات میں چھپنے والے بیانوں، پریس ریلیزوں اور پریس کانفرنسوں سے جمعیت کا ایک خاکہ بنا رکھا ہوتا ہے۔ کچھ نے جمعیت کے بارے میں الزام پڑھے اور سنے ہوتے ہیں۔ کچھ جمعیت کو بک بنکوں، کتاب میلوں، مفت ٹیوشن سنٹروں، مشکل مضامین کے نوٹس، فرسٹ ائیر فولنگ کو روکنے اور کالجوں، یونیورسٹیوں میں نئے آنے والے طلبہ کو پُر خلوص راہنمائی کے حوالے سے یاد رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

کچھ کا واسطہ جمعیت کے مخلص کارکنان سے پڑا ہوتا ہے۔ وہ انہیں ان کی زبان کی مٹھاس، اعلیٰ کردار اور وعدوں کے پاس اور لحاظ کرنے کے حوالے سے جانتے ہیں۔ کچھ نے ذمے داران کی دلائل سے بھری مسلسل اور مربوط تقاریر سنی ہوتی ہیں۔

اصل میں ان سب سوال کرنے والوں نے جمعیت سے متعلق کیمرے کی 36 تصاویر کی ایک پوری ریل میں سے ایک یا دو تصاویر دیکھ رکھی ہوتی ہیں اور وہ اسی پہ اپنے قیاس اور سوال کو بناتے اور سنبھالے رکھتے ہیں۔ اور اسی پہ سوال کر رہے ہوتے ہیں کہ جمعیت ہے کیا؟

یہ جواب نیم درست بھی ہو سکتا ہے اور مکمل درست جواب کی طرف لے جانے والا اور آگاہی کی پوری دنیا دکھانے والا بھی۔ خوش قسمتی سے یہ چھوٹا سا موقع ہے کہ ہم اس اسلامی جمعیت طلبہ کے تعارف اور کام کی وسعت جیسے اہم اور بنیادی موضوع پہ بات کر سکتے ہیں

قائم شدہ 1962
ادارہ مطبوعات طلبہ
1۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور
042-37428307 0335-4014015

Scanned with CamScanner